اُردُو 3

کی تیسری کتاب

سندھ ٹیکسٹ بک بورڈ
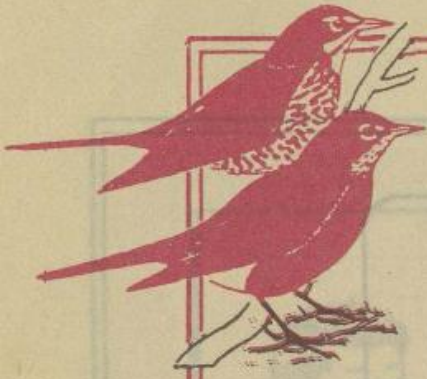
اُردُو کی تیسری کِتاب

تیسری جماعت کے لیے

سِندھ ٹیکسٹ بک بورڈ، جام شورو، سندھ

ناشر: قاضی ایسوسی ایٹس، کراچی

تیار کردہ : سندھ ٹیکسٹ بُک بورڈ، جام شورو، سندھ۔
منظور شدہ : محکمۂ تعلیم سندھ، بطور واحد درسی کتاب برائے مدارسِ صُوبہ سندھ
قومی کمیٹی برائے جائزہ کُتبِ نصاب کی تصحیح شدہ

▲

نظرِ ثانی :

ڈاکٹر آصف جاہ کاروانی
ڈاکٹر عبدالحق خاں حسرتؔ کاسگنجوی

تدوینِ نو :

ڈاکٹر عبدالحق خاں حسرتؔ کاسگنجوی
محمد ناظم علی خاں مانلوی

▼

طباعت : دی سمیع سنز پرنٹرز کراچی

میرا نام ________ ہے

یہ میری تیسری کتاب ہے۔

آیئے دیکھیں اس کتاب میں کون سا مضمون کہاں ہے۔

فہرست

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

(شروع اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے)

حمد

سبھی کچھ خُدا کا بنایا ہُوا ہے
یہ گلشن اُسی کا لگایا ہُوا ہے

یہ خُوش رنگ پھول اور پھل پیارے پیارے
یہ دِن اور سُورج، یہ چاند اور تارے

یہ آگ اور مٹّی، ہَوا اور پانی
سبھی کچھ خُدا ہی کی ہے مہربانی

ہر اِک شَے پہ میرے خُدا کی نظر ہے
وہ سب جانتا ہے، اُسے سب خبر ہے

اُجالا ہو یا چھا رہا ہو اندھیرا
ہے اُس کی نظر میں ہر اِک کام میرا

اَللہ کی نعمتیں

اَللہ ایک ہے۔ اُسی نے ساری دُنیا پیدا کی ہے۔ زمین، آسمان، چرِند، پرِند اور اِنسان سب اُسی کی مخلوق ہیں۔ سب کی زندگی اور موت اُسی کے ہاتھ میں ہے۔ اُس کی مخلوقات میں اِنسان کا رُتبہ سب سے اُونچا ہے۔

ہم پر اَللہ تعالیٰ کے ایک دو نہیں بے شُمار اِحسانات ہیں۔ سب سے بڑا اِحسان یہ ہے کہ اُس نے ہمیں زندگی بخشی ہے۔ اُسی نے زمین سے درخت اُگائے۔ درختوں میں پھل لگائے۔ اُسی نے کھیتوں میں غلّہ اُگایا ہے۔

گیہوں، چاول، باجرا، مکئی سب کھیتوں میں اُگتے ہیں۔ یہ سب ہماری خوراک

میں شامل ہیں۔ ہم اِن سے طرح طرح کے کھانے تیار کرتے ہیں۔ کپاس بھی کھیتوں میں اُگتی ہے۔ اسے پھُٹّی بھی کہتے ہیں۔ صاف کی ہوئی کپاس رُوئی کہلاتی ہے۔ اِس سے ہمارے پہننے کے لیے کپڑے بنتے ہیں۔

زندگی کے لیے چار چیزیں بہت ضروری ہیں۔ آگ، ہوا، مٹّی اور پانی۔ صحت مند رہنے کے لیے ہمیں تازہ ہوا اور صاف پانی کی ضرورت ہے۔ اگر پانی اور ہوا صاف نہیں ہوں گے تو ہم بیمار ہو جائیں گے۔

انسان، حیوان، پرِند اور پودے، سب کو اِن چار چیزوں کی ضرورت ہے۔ یہ بھی اللہ کی بنائی ہوئی ہیں۔ اِن چیزوں کے ذریعے اللہ نے اپنی بے شمار نعمتیں ہم کو دی ہیں۔

اِن نعمتوں کے لیے ہم اَللہ کا شکر ادا کرتے ہیں۔ اَللہ کا حکم ماننا، اس کا شکر ادا کرنا اور اُس کے بندوں کے کام آنا عبادت ہے۔

رسُولِ پاک صَلَّی اللہُ عَلَیہِ وَسَلَّم
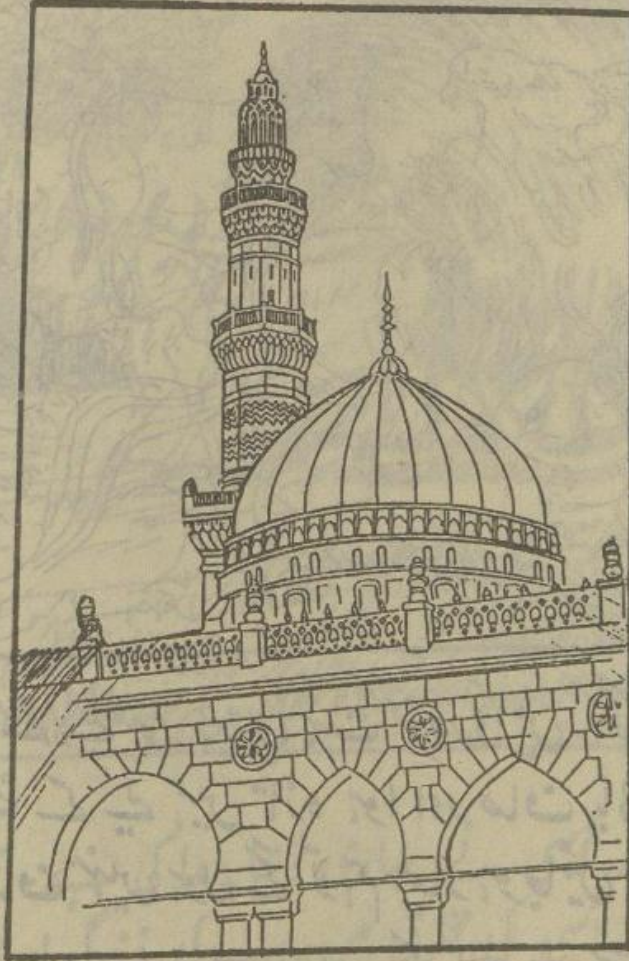
اَللہ نے دُنیا بنائی۔ دُنیا میں بہت سی چیزیں ہیں۔ یہ سب چیزیں اِنسان کی بھلائی کے لیے ہیں۔ اِن سے اِنسان فائدہ اُٹھاتا ہے۔ اِن پر اِنسان کی حکومت ہے۔ اگر وہ سیدھے اور سچے راستے پر چلے تو یہ سب نعمتیں اُسی کی ہیں۔ اِنسان کو سیدھے اور سچّے راستے پر چلانے کے لیے اَللہ نے بہت سے نبی دُنیا میں بھیجے۔ سب سے پہلے نبی حَضرت آدم عَلَیہِ السَّلام تھے۔ سب

سے آخری نبی حضرت محمد مصطفےٰ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم ہیں۔ یہی ہمارے پیارے نبیؐ ہیں۔

جب ہمارے نبیؐ دُنیا میں آئے تو انسان اللہ کے راستے سے بھٹک چکے تھے۔ وہ پہلے نبیوں کی بتائی ہوئی باتوں کو بھول گئے تھے۔ انھوں نے اپنے الگ الگ گروہ بنالیے تھے۔ وہ آپس میں لڑتے تھے اور بھی بہت سی بُری باتیں کرتے تھے۔ ہمارے نبیؐ نے اُن کو اللہ کا راستہ بتایا۔ بُت پرستی کا خاتمہ کیا اور الگ الگ گروہوں کو ایک کردیا۔ ایک مسلمان کو دوسرے مسلمان کا بھائی بنادیا۔

آپؐ نے کمزوروں کی مدد کرنا سکھایا۔ آپؐ نے ظالموں کا مُقابلہ کرنے کا حُکم دیا۔ آپؐ کی اچھی اچھی باتوں کی وجہ سے بہت سے لوگ آپؐ کے ساتھ ہوگئے۔ یہ سب لوگ مُسلمان کہلائے۔ اُن میں اتنا اتحاد اور اتفاق تھا کہ وہ ایک بڑی طاقت بن گئے۔ انھوں نے آدھی سے زیادہ دُنیا پر حکومت کی۔ یہ سب ہمارے نبیؐ کی تعلیم کی وجہ سے ہُوا۔ آپؐ کی تعلیم اِتنی اچھی ہے کہ آج بھی آپؐ کے ماننے والے دُنیا کے ہر حصّے میں موجود ہیں۔

مُسلمان اللہ کو ایک مانتے ہیں۔ حضرت محمد صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کو اللہ کا آخری نبیؐ اور قرآن شریف کو اللہ کا کلام مانتے ہیں۔ ہمارے نبیؐ نے قرآن شریف ہم تک پہنچایا۔ اللہ کی اِس کتاب میں پاک صاف اور کامیاب زندگی گزارنے کا سبق دیا گیا ہے۔ ہمارے نبیؐ کا اِحسان ہے کہ آپؐ نے ہمیں سیدھا سچّا اور اللہ کا راستہ بتایا۔ ہمیں نیک کاموں کی ہدایت فرمائی۔ بُرے کاموں، جھوٹ اور چوری سے بچنے کا حکم دیا۔ ہمیں چاہیے کہ رسول پاک صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کے احکام پر چلیں۔ بُرے کاموں سے بچیں۔ اس طرح اللہ تعالیٰ اور رسول پاک صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم ہم سے خوش ہوں گے۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے

نبیؐ ہمارے ، نبیؐ ہمارے
وہ حق کی باتیں بتانے والے
وہ سیدھا رستہ دکھانے والے
وہ راہبر، رہ نُما ہمارے
نبیؐ ہمارے ، نبیؐ ہمارے — دُرُود اُن پر ، سلام اُن پر

بلند نبیوں میں نام اُن کا
فلک سے اُونچا مقام اُن کا
ہمارے ہادیؐ، خدا کے پیارے
نبیؐ ہمارے ، نبیؐ ہمارے — دُرُود اُن پر، سلام اُن پر

اُنھی کی خاطِر دَمک رہے ہیں
اُنھی کے دَم سے چمک رہے ہیں
زمین کے ذرّے، فلک کے تارے
نبیؐ ہمارے ، نبیؐ ہمارے — دُرُود اُن پر، سلام اُن پر

اُنھی کی سرکار کے گدا ہیں
اُنھی کے دربار کے گدا ہیں
جہاں کے یہ تاج دار سارے
نبیؐ ہمارے ، نبیؐ ہمارے — دُرُود اُن پر، سلام اُن پر

صوفی غلام مصطفےٰ تبسم

پاکِستان

پاکستان ہمارا وَطن ہے۔ ہم اِس کے ہیں، یہ ہمارا ہے۔ ہم سب یہاں بھائیوں کی طرح رہتے ہیں۔ ہم پڑھ لکھ کر بڑے ہوں گے تو جی، جان سے اِس کی خدمت کریں گے۔ اِسے ترقّی دے کر دُنیا کا ایک مِثالی مُلک بنائیں گے۔ ساری دُنیا میں اس کا نام اور اُونچا کریں گے۔ لیکن ہماری یہ خواہش تعلیم اور محنت کے بغیر پُوری نہیں ہوسکتی۔ اِس لیے ہمیں خُوب محنت کرنا چاہیے۔ جو محنت سے پڑھے گا وہی مُلک و قوم کی خِدمت کرسکے گا۔ جو لوگ شوق اور محنت سے پڑھتے ہیں وہی شُہرت اور عزّت حاصِل کرتے ہیں۔ ایسے ہی لوگوں کی وجہ سے مُلک ترقّی کرتا ہے۔

پاکستان ایک اِسلامی ریاست ہے۔ اِس کے چار صُوبے ہیں۔ سِندھ، پنجاب، سرحد اور بلوچستان۔ اِن چاروں صُوبوں کے مُسلمان آپس میں بھائی بھائی ہیں۔ انسان کے جسم کے بہت سے حصّے ہوتے ہیں۔ آنکھ، ناک، کان، ہاتھ، پاؤں۔ اِن سب حِصّوں سے مِل کر جِسم بنتا ہے۔ ہمارے صُوبے، مُلک کے ایسے ہی حِصّے ہیں۔ ہمارے جِسم کے کسی حصّے میں دَرد ہو تو تمام بدن میں تکلیف ہوتی ہے۔ اِسی طرح اگر ہمارے کسی صوبے پر کوئی مُصیبت آپڑے تو ہم سب پریشان ہو جاتے ہیں اور ایک دوسرے کی مدد کرتے ہیں۔

ہماری آبادی تیزی سے بڑھ رہی ہے اس سے ہماری ضروریات میں بھی اضافہ ہورہا ہے۔ ہم محنت سے کام کریں گے۔ اپنے وطن کی ہر چیز کی حفاظت کریں گے۔ اپنے ماحول کو صاف سُتھرا رکھیں گے۔ کھانے کی چیزیں، بجلی، گیس اور پانی کو ضائع نہیں کریں گے۔

پاک وطن ہم سب کا وطن ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمارے وطن کو سلامت رکھے۔

اِنصاف

مسلمان جب کسی جنگ میں کامیاب ہوتے تھے تو دُشمنوں کا چھوڑا ہوا بہت سا مال اُن کے ہاتھ لگتا تھا۔ وہ مال مسلمانوں میں برابر برابر بانٹ دیا جاتا تھا۔

ایک دفعہ کچھ کپڑا مُسلمانوں کے ہاتھ آیا۔ مُسلمانوں کے خلیفہ نے وہ کپڑا تمام مُسلمانوں میں برابر برابر تقسیم کر دیا۔ انھیں بھی اُتنا ہی کپڑا مِلا جتنا اَوروں کو مِلا تھا۔

دوسرے دن جب خلیفہ سب کے سامنے آئے تو ایک شخص نے پوچھا: "آپ کے کُرتے میں جو کپڑا لگا ہے وہ اُس سے بہت زیادہ ہے جتنا دُوسرے مُسلمانوں کو مِلا ہے۔ آپ نے زیادہ کپڑا کیوں لیا؟"

خلیفہ نے جواب دیا: "مجھے بھی اُتنا ہی کپڑا مِلا جتنا ہر مُسلمان کو مِلا۔ میرا قد لمبا ہے اِس لیے وہ کپڑا میرے کُرتے کے لیے کم تھا۔ میرے لڑکے نے جب یہ دیکھا تو اپنے حِصّے کا کپڑا بھی مجھے دے دیا۔" پھر خلیفہ نے اپنے لڑکے کو سب کے سامنے بُلایا اور اُس کی گواہی بھی دلوائی۔ اِس کے بعد خلیفہ نے سب کے سامنے اُس شخص کی ہمّت کی تعریف کی کیوں کہ اُس نے بڑی بے باکی سے اِنصاف کا مُطالبہ کیا تھا۔

حق دار کو حق دینا اِنصاف کہلاتا ہے۔ اِنصاف کرنے والے کو لوگ بھی چاہتے ہیں اور خُدا بھی پسند کرتا ہے۔

کیا آپ جانتے ہیں کہ وہ خلیفہ کون تھے؟ وہ مسلمانوں کے دوسرے خلیفہ حضرت عُمر فاروق رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ تھے۔

حضرت اَبُوذَرِ غفاری رَضِیَ اللّٰہُ تعالیٰ عَنہُ

ہمارے پیارے نبی حضرت محمد مُصطفیٰ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیہِ وَسَلَّم کے ساتھیوں کو صحابی کہتے ہیں۔ اِنھی ساتھیوں میں ایک حضرت اَبُو ذرِ غفاری رَضِیَ اللّٰہُ تعالیٰ عَنہُ بھی تھے۔

اَللّٰہ کے رَسُول صَلَّی اللّٰہُ عَلَیہِ وَسَلَّم نے جب لوگوں کو اِسلام کی دعوت دی تو آپؐ کی شہرت دُور دُور تک پھیل گئی۔ حضرت اَبُوذرِ غفاریؓ نے سُنا تو اپنے گاؤں سے چل کر مکّے میں حُضورؐ کی خدمت میں حاضر ہوکر ایمان لائے اور خانۂ کعبہ میں جاکر بلند آواز سے اَپنے مُسلمان ہونے کا اِعلان کِیا۔ کافر مُسلمانوں کے سخت دُشمن تھے۔ جب حضرت اَبُوذرِ غفاریؓ مُسلمان ہوئے تو کافروں نے اُن پر سختیاں شروع کردیں، لیکن اُنھوں نے سچائی کا راستہ نہ چھوڑا۔

حضرت اَبُوذرِ غفاریؓ نہایت بے باک اور نِڈر تھے۔ سچ بات بے دھڑک کہ دیتے تھے۔ وہ کہتے تھے کہ مال کی مَحبّت اور حِرص لوگوں کو اللّٰہ سے دُور کردیتی ہے۔ حضرت اَبُوذرِ غفاریؓ کو غریبوں اور مِسکینوں سے بھی بہت ہمدردی تھی۔ وہ چاہتے تھے کہ لوگوں کے پاس جو دَولت اُن کی ضرورت سے زیادہ ہے وہ غریبوں اور ضرورت مندوں میں بانٹ دی جائے۔

ویسے تو تمام صحابہؓ اپنی ضرورت سے زیادہ دَولت جمع کرنے کے خِلاف تھے لیکن حضرت اَبُو ذرِ غفاریؓ اُن میں پیش پیش تھے۔
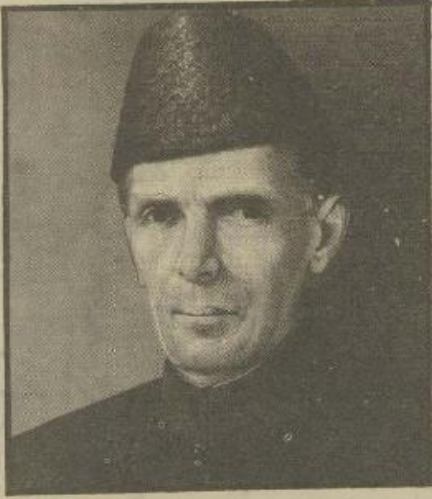
قائدِاعظمؒ

پاکِستان بَنانے والے　　قومی شان بڑھانے والے
قائدِاعظم زِندہ باد
قائدِاعظم زِندہ باد

عِزّت والے، شہرت والے　　ہمّت والے، عظمت والے
قائدِاعظم زِندہ باد
قائدِاعظم زِندہ باد

چاند سِتارے والا پرچم　　لہراتا ہے ہر سُو، ہر دم
قائدِاعظم زِندہ باد
قائدِاعظم زِندہ باد

آزادی کے نغمے گھر گھر　　خوشیاں اندر خوشیاں باہر
قائدِاعظم زِندہ باد
قائدِاعظم زِندہ باد

شمشاد علی تنہا

صَبر و تحمُّل

عرب کے باشندے بُتوں کی پُوجا کرتے تھے اور بہت سی بُری عادتوں میں گرفتار تھے۔ حضرت مُحمّد صَلّی اللہُ عَلَیہِ وَسَلَّم نے کوشش فرمائی کہ وہ لوگ بُری عادتیں چھوڑ دیں اور ایک اَللہ کی عِبادت کریں۔ اِسی کوشش میں وہ ایک دن عرب کے مشہور شہر طائف پہنچے۔

طائف کے باشندے بہت مال دار اور مغرور تھے، وہ کسی کی کوئی نصیحت سننے کو تیار نہ ہوتے تھے۔ چناں چہ حُضور صَلّی اللہُ عَلَیہِ وَسَلَّم کی باتوں پر دھیان دینے کے بجائے وہ آپؐ کے دُشمن ہو گئے اور طرح طرح کی تکلیفیں پہنچانا شروع کیں۔ شرارتی لڑکوں کو آپؐ کے پیچھے لگا دیا۔ ان لڑکوں نے حُضور صَلّی اللہُ عَلَیہِ وَسَلَّم کے اِتنے پتھر مارے کہ آپؐ کا سارا بدن لُہولُہان ہوگیا۔ یہاں تک آپ کے نعلین مبارک خون میں بھر گئے۔ پھر بھی آپؐ نے صبر و تحمّل سے کام لیا اور سب کو معاف کر دیا۔

کِسی نے آپؐ سے کہا کہ اِن کو بَد دُعا دیجیے تو آپؐ نے بَد دُعا کے بجائے دُعا فرمائی اور کہا:

"یا اَللہ! یہ لوگ نادان ہیں، نہیں جانتے کہ کیا اَچھا ہے اور کیا بُرا ہے۔ اِن کو معاف فرما اور سیدھا راستہ دِکھا۔"

دُکان دار
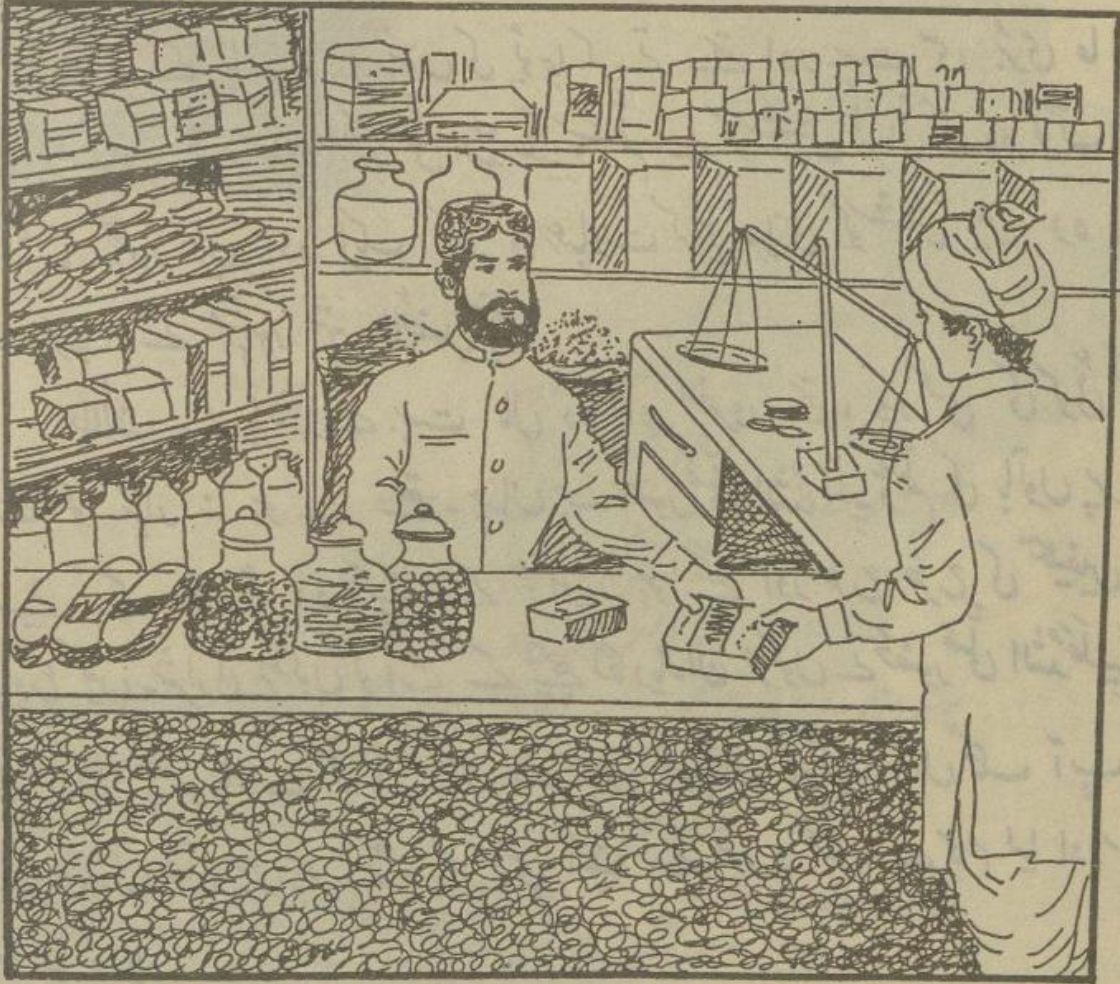
ہمارے گھروں میں روزانہ اِستِعمال کا بہت سا سامان ہوتا ہے۔ پلنگ، کُرسی، کتابیں، کاپیاں، صابن، منجن، آٹا، دال اور بہت سی ایسی ہی چیزیں۔ ہم اِن سب کو اِستِعمال کرتے ہیں۔ یہ سب ہماری ضرورت اور آرام کے لیے ہوتی ہیں۔ یہ چیزیں ہم بازار میں دُکان سے خریدتے ہیں۔

شہروں میں بہت سی دُکانیں ہوتی ہیں۔ شہروں کی دُکانیں بڑی بڑی ہوتی ہیں۔ کچھ دُکانیں ایسی ہوتی ہیں۔جن میں قِسم قِسم کی چیزیں ہوتی ہیں۔کچھ دُکانوں میں ایک ہی قِسم کی چیزیں ہوتی ہیں۔

دیہات میں دُکانیں کم ہوتی ہیں۔ وہاں کے دُکان دار ضرورت کی سب چیزیں اپنی دُکانوں میں رکھتے ہیں۔ گاؤں کے سب لوگ دکان دار کو جانتے ہیں۔ وہ بھی سب لوگوں کا دوست ہوتا ہے۔ گاؤں کے لوگ فرصت کے وقت دُکان دار کے پاس بیٹھ جاتے ہیں اور اُس سے باتیں کرتے ہیں۔

شہر میں بڑی بڑی دکانوں پر دُکان دار اپنا مددگار بھی رکھ لیتا ہے۔ وہ اکیلا اِتنی بڑی دکان نہیں چلا سکتا۔ گاؤں کا دکان دار اپنا سب کام اکثر اکیلا ہی کرتا ہے۔

دیہات میں کبھی کبھی میلا بھی لگتا ہے۔ اِس میلے میں دُوسرے دیہات سے لوگ آکر اپنی اپنی دکانیں لگاتے ہیں۔ اگر دُکانیں اور دکان دار نہ ہوں تو ہمیں اپنی ضرورت اور آرام کی چیزیں حاصل کرنے میں کتنی دُشواری ہو!

دکان دار سے چیزیں خریدنے کے لیے ہم پیسے خرچ کرتے ہیں۔ جس گھر میں زیادہ لوگ ہوتے ہیں۔ انھیں چیزیں بھی زیادہ خریدنی پڑتی ہیں اور زیادہ پیسے بھی دینے پڑتے ہیں۔ ہمیں فضول خرچی سے بچنا چاہیے۔

قائدِ ملّتؒ
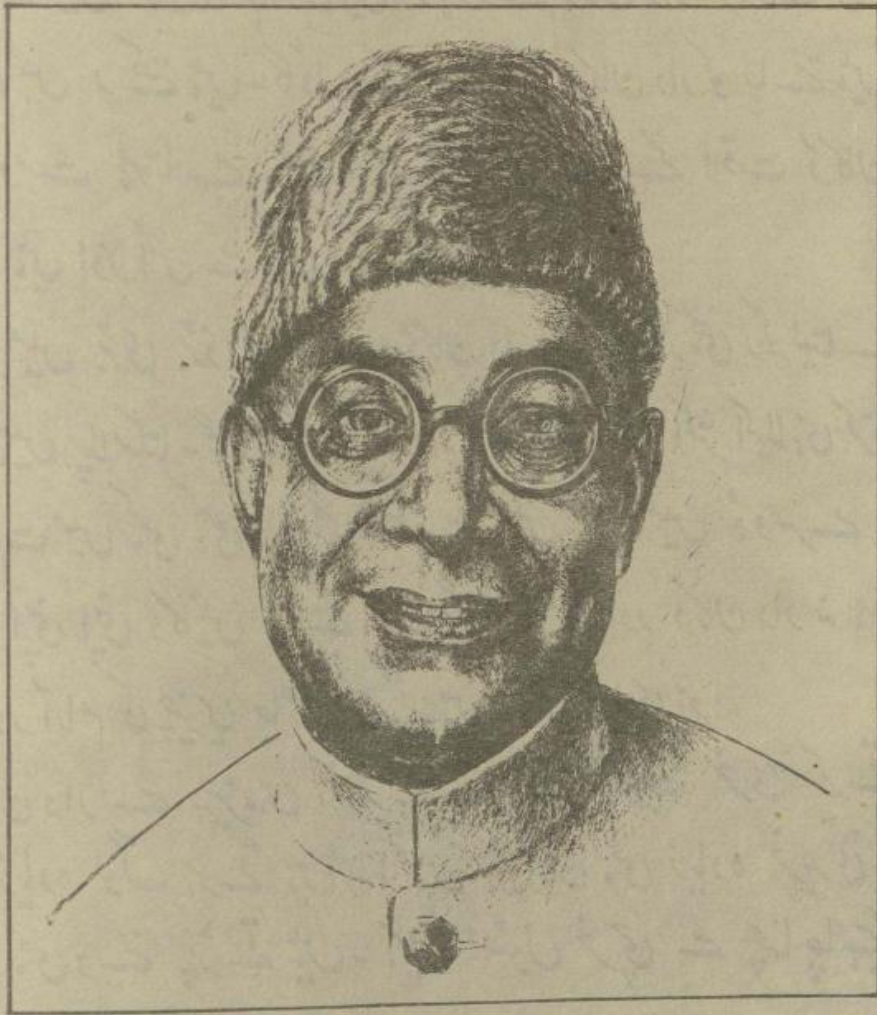
پاکستان ہمارا وطن ہے۔ ہر شخص کو اپنے وطن سے مُحبّت ہوتی ہے۔ ہمیں بھی اپنا وَطن جان و دِل سے عزیز ہے۔ ہم اِس کے لیے ہر قسم کی قربانی دینے کے لیے تیار رہتے ہیں۔ یہ مُلک ہمارے بزرگوں نے بڑی قُربانی کے بعد بنایا ہے اِس کی حفاظت کرنا اور اِس کا جھنڈا اُونچا رکھنا ہمارا فرض ہے۔

پاکستان کے بنانے میں لاکھوں افراد کا حصّہ ہے۔ بوڑھے، بچے، جوان، عورتیں اور مَرد سبھی نے اِس کے لیے تکلیفیں اُٹھائیں، جان و مال کی قُربانیاں دیں۔ تب کہیں جاکر پاکستان وجُود میں آیا۔ پاکستان قائدِاعظمؒ کی رہ نُمائی میں بنا۔ ساری قوم اُن کے سَاتھ تھی۔ مرحوم لیاقت علی خاںؒ اُن کے بہترین ساتھی تھے۔ وہ ہر قدم پر قائدِاعظمؒ کے ساتھ رہے۔ پاکستان کے قیام کے بعد وہ اِس کے پہلے وزیرِاعظم مُقرّر کیے گئے۔ وزیرِاعظم بننے کے بعد وہ رات دِن پاکستان کے لیے کام کرتے رہے۔ عام لوگوں کا انھیں بہت خیال رہتا تھا۔ لوگ مُحبّت سے اُنھیں قائدِ مِلّت کہتے ہیں۔

۱۶ر اکتوبر ۱۹۵۱ء کی بات ہے۔ راول پِنڈی کے ایک بڑے جلسے میں وہ تقریر کرنے کھڑے ہی ہوئے تھے کہ مُلک کے ایک دُشمن نے اُنھیں گولی مارکر شہید کردیا۔

ملک اور قوم سے اُنھیں کتنی محبّت تھی اِس کا اندازہ اس بات سے کیجیے کہ مرتے دم بھی اُن کی زبان پر یہ الفاظ تھے:

"خدا پاکستان کی حفاظت کرے۔"
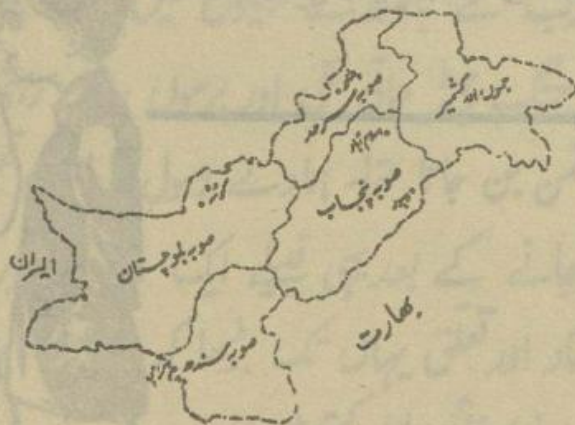
اَچھّے بھائی

مُحسِن ، طلعت ، نُور اِلٰہی
آپس میں ہیں تِینوں بھائی

پڑھنا لِکھنا کام ہے اُن کا
ہُشیاروں میں نام ہے اُن کا

وقت پہ کھانا وقت پہ سونا
وقت پہ کھیل سے فارغ ہونا

جُھوٹ سے نفرت کرتے ہیں وہ
سچّی بات پہ مرتے ہیں وہ

گھر والوں کا کہنا مانیں
لڑنا بِھڑنا وہ کیا جانیں

مُنہ نہ کبھی بے موقع کھولیں
کوئی پُکارے تو "جی" بولیں

چھوٹے بڑے ہیں سب خوش اُن سے
واقف ہیں وہ پیار کے گُن سے

سُرُور بجنوری

اِسلامی برادری
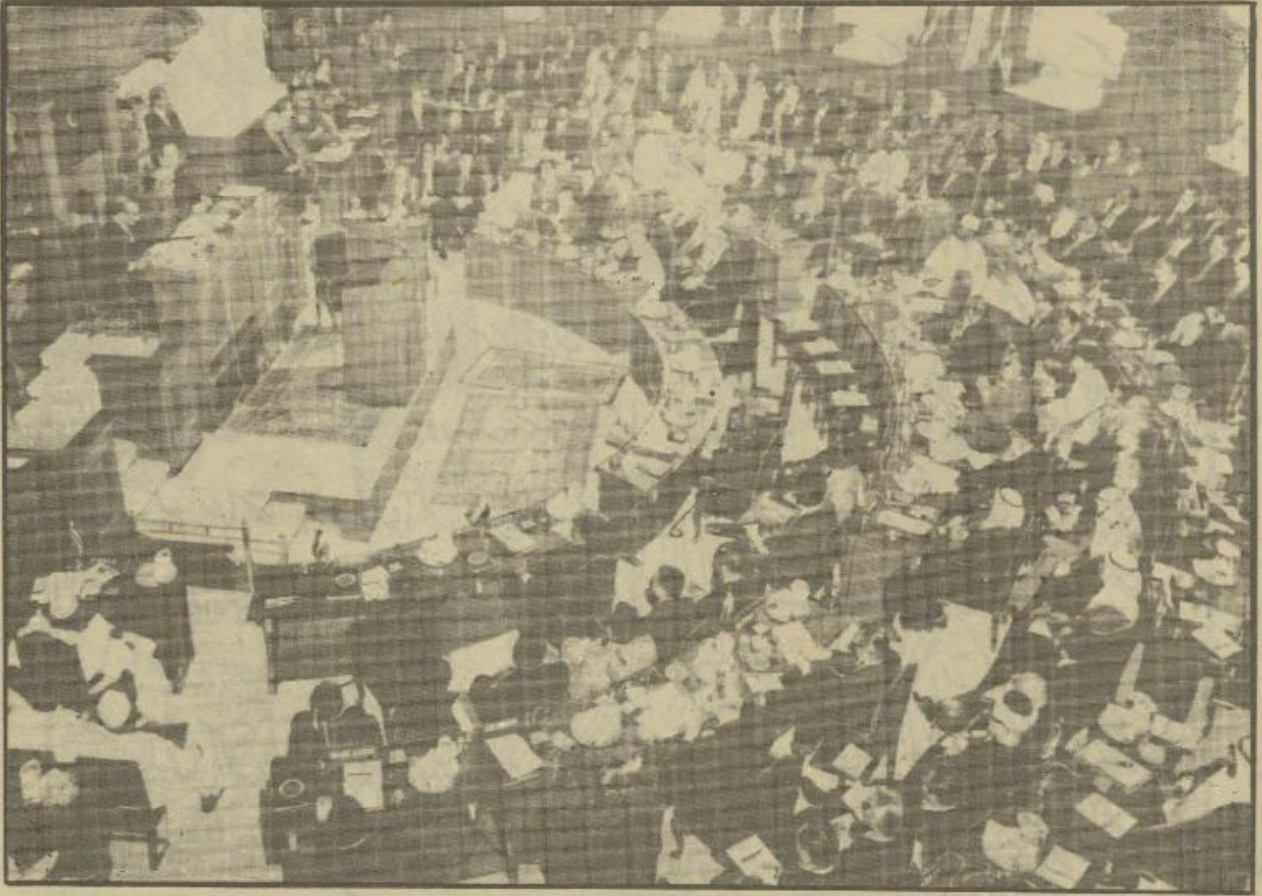
اِسلام سے پہلے عرب کے باشندے قبیلوں میں بٹے ہوئے تھے۔ اِن قبیلوں میں چھوٹی چھوٹی باتوں پر جنگ چھڑ جاتی تھی اور برسوں جاری رہتی تھی۔ ایک قبیلہ ہمیشہ کے لیے دوسرے کا دُشمن بن جاتا تھا۔ ہمارے رسولِ پاکؐ کی تعلیم کا اِن قبیلوں پر گہرا اثر پڑا۔ مسلمان ہوجانے کے بعد یہی قبیلے ایک دوسرے پر اِعتماد کرنے لگے اور دوست بن گئے۔ پھر یہ اِعتماد اور تعلّق یہاں تک بڑھا کہ وہ حقیقی بھائیوں کی طرح رہنے لگے۔ اِسلام میں اِسی کو اُخوّت یا بھائی چارا کہتے ہیں۔

ایک مسلمان دُوسرے مُسلمان کا بھائی ہے۔ چاہے دونوں الگ الگ مُلکوں میں ہی کیوں نہ رہتے ہوں۔ دُنیا کے کسی مُلک میں اگر ہمارے مُسلمان بھائیوں پر کوئی مصیبت آتی ہے تو ہم پریشان ہوجاتے ہیں۔ ہم اُن کی مدد کرنے کے لیے تیار رہتے ہیں۔ اِسی طرح وہ بھی ہماری مدد کرنے میں خوشی محسوس کرتے ہیں۔ یوں سمجھ لو کہ دنیا کے سارے مُسلمانوں کی ایک برادری ہے۔ سب ایک دوسرے کے بھائی ہیں۔ ان ہی اُصولوں پر پاکستان نے لاہور میں ۲۲؍ فروری ۱۹۷۴ء کو دُنیا کے تمام اِسلامی مُلکوں کی ایک کانفرنس بُلائی۔ اس کے اِجلاس ۲۳؍ اور ۲۴ فروری کو بھی ہوئے۔ اِن اِجلاسوں میں تمام مُسلمان سَربراہوں نے مِل کر آپس کے اِختلاف خَتم کرنے، جہالت خَتم کرنے، غُربت دُور کرنے، دُنیا میں امن وامان قائم رکھنے اور ایک دوسرے کے ساتھ مِل جُل کر رہنے کے تاریخی فیصلے کیے۔ اُخُوَّت کی یہ بڑی شاندار مثال تھی۔ بڑا عجیب منظر تھا۔ سب ایک دوسرے سے گلے مِل رہے تھے، سب خوش تھے۔

قبیلوں کو مِلا کر ایک کردینا۔ مخالف گروہوں میں بھائی چارا پیدا کرنا، ایک اِنسان کو دُوسرے اِنسان کا بھائی بنا دینا اِسلام کا بہت بڑا کارنامہ ہے۔ اُخُوَّت کا یہ سبق ہمارے حضُورؐ نے دیا۔ اگر دُنیا والے اِس سبق کو اپنا رہ نُما بنالیں تو سب ایک دوسرے کے بھائی ہوجائیں۔ آپس کی لڑائیاں خَتم ہوجائیں، دُنیا میں اَمن قائم ہوجائے اور سب اطمینان اور چَین کی زندگی بسر کریں۔

گاؤں کی سیر

آج اِسکول کی چھٹی تھی - ابّو نے صُبح سویرے مُجھ سے اور میری بہن سے کہا کہ تھوڑی دیر بعد ہم گاؤں کی سیر کو چلیں گے ۔ یہ سنتے ہی ہماری خوشی کی اِنتہا نہ رہی - جلدی جلدی تیّاری کی اور اَبّو کے ساتھ بس کے اَڈّے پر گئے ۔ وہاں سے ہم بس میں سوار ہوکر اَبّو کے ایک دوست کے گاؤں پہنچے ۔ ہم نے دیکھا کہ گاؤں کے چاروں طرف ہرے بھرے کھیت ہیں ۔ ان

کھیتوں میں سے گزرتے ہوئے ہم ابّو کے دوست ہاشم صاحب کے کھیت میں گئے۔ وہ کھیت میں کام کر رہے تھے۔ ہم نے ہاشم صاحب کو سلام کیا۔ ہاشم صاحب نے ہمارے سلام کا جواب دیا اور بہت دُعائیں دیں۔ پھر ہاشم صاحب ہمیں سامنے گاؤں کی اوطاق میں لے گئے۔ وہاں اُنھوں نے روٹی، سرسوں کے ساگ، تازہ مکھن اور لسّی سے ہماری تواضع کی۔ ہمیں کھانے میں بڑا لطف آیا۔

کھانے کے بعد ہاشم صاحب ہمیں پاس ہی کے ایک باغ میں لے گئے۔ باغ میں آم، امرود، کیلے، جامن اور لیموں کے درخت تھے۔ ہاشم صاحب نے ہمیں میٹھے امرود اور جامن توڑ کر دیے۔ باغ میں جگہ جگہ پھولوں کی کیاریاں تھیں جن میں رنگ برنگے پھول کھل رہے تھے اور اُن کی خوشبو سے سارا باغ مہک رہا تھا۔ ہر طرف نالیوں میں پانی بہ رہا تھا۔ ہم بہت دیر تک باغ میں گھومتے رہے۔ وہاں سے ہم کھیتوں میں آگئے۔ کھیتوں میں کہیں گنّا تھا، کہیں کپاس۔ کہیں باجرا تھا اور کہیں ہری مرچیں لگ رہی تھیں۔ ایک طرف خالی زمین میں ایک آدمی بیلوں کے ذریعے ہل چلا رہا تھا۔ ہم یہ سب چیزیں دیکھ کر بے حد خوش ہو رہے تھے۔ اتنے میں سیر کرتے ہوئے واپس گاؤں میں آپہنچے جہاں چند کچّے مکانات اور ایک چھوٹی سی مسجد تھی۔ اس میں ہم نے ظہر کی نماز ادا کی، پھر گاؤں کی کچّی گلیوں میں سے ہوتے ہوئے ہم بس کے اڈّے پر آگئے اور بس میں بیٹھ کر خوش خوش اپنے گھر آگئے۔

شاہ عبدُاللّطیف بھٹائیؒ
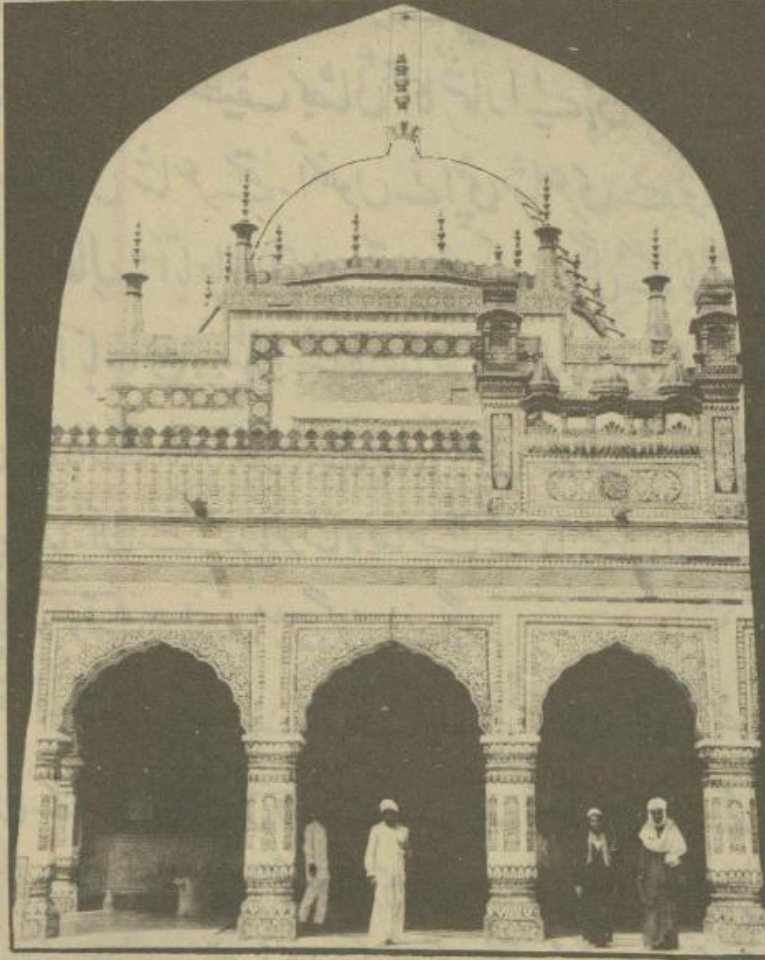
آج چھٹّی کا دِن تھا، میں اپنی کتابوں کی الماری صاف کر رہا تھا۔ کسی نے دروازے پر دستک دی۔ میں نے جاکر دیکھا تو میرا دوست خالد کھڑا تھا۔ وہ بہت خوش نظر آرہا تھا۔ اُس نے مجھے دیکھ کر کہا: "چلو تیار ہو جاؤ۔ اَبّو آج ہمیں بھٹ شاہ کے میلے میں لے جا رہے ہیں، تم بھی میرے ساتھ چلو۔" یہ سُن کر میں دوڑتا ہُوا ابا جان کے پاس گیا، اُن سے اِجازت لی اور پھر خالد کے ساتھ اُس کے گھر پہنچا۔ خالد کے اَبا جان جیپ میں بیٹھے ہمارا اِنتظار کر رہے تھے۔ ہمارے بیٹھتے ہی جیپ روانہ ہوگئی۔ سڑک پر جیپ تیزی سے دَوڑ رہی تھی۔ سب بچّوں کے چہرے خوشی سے دَمک رہے تھے۔ خالد نے اپنے اَبا سے پُوچھا:

خالِد: اَبا جان! یہ بھٹ شاہ کا میلا کیوں لگتا ہے؟

اَبّا جان : یہ میلا سندھ کے ایک بزرگ کی یادگار ہے۔

خالِد : اَبّا جان ! اُن بزرگ کا نام کیا تھا ؟

اَبّا جان : بیٹا ! اُن کا نام شاہ عَبدُاللّطیف ؒ تھا۔ تمھیں یہ تو معلوم ہے کہ دُنیا میں ہر جگہ اَللہ تعالیٰ کے نیک بندے گزرے ہیں۔ سِندھ کی زمین بھی ایسے ہی لوگوں سے آباد رہی ہے۔ شاہ عبداللّطیف بھٹائی ؒ کا شُمار ایسے ہی لوگوں میں ہوتا ہے۔ وہ سندھ کے ایک مشہور صُوفی شاعر تھے۔ اُنھوں نے اپنی شاعری سے لوگوں کو سیدھا راستہ دکھایا۔

خالِد : اَبّا جان ! ہمیں آپ اُن کی زندگی کے بارے میں کچھ بتائیے۔

اَبّا جان : بیٹا ! شاہ صاحبؒ ہالا تعلّقے کے ایک گاؤں میں پیدا ہوئے تھے۔ اُن کے والد کا نام سیّد حبیبؒ تھا۔ اُنھوں نے شاہ صاحبؒ کو تعلیم کے لیے نُور مُحمّد صاحب کے سپرد کیا۔ اُن سے تعلیم پا کر شاہ صاحبؒ کے دِل میں اپنے دین سے محبّت پیدا ہوگئی اور وہ اپنا زیادہ وقت عبادت میں گزارنے لگے۔

شاہ عبداللّطیف بھٹائی ؒ ایک سچے مُسلمان تھے۔ اُنھوں نے کبھی کسی کا دِل نہیں دُکھایا۔ اُن کے اَچھے اخلاق کی وجہ سے سب لوگ اُن کی عزّت کرتے تھے۔

شاہ صاحبؒ اپنی شاعری کی وجہ سے بہت مشہور ہیں۔ اُنھوں نے سندھ کی مشہور کہانیاں نظم کی ہیں۔ موسیقی سے بھی اُنھیں گہری دلچسپی تھی۔ اُنھوں نے ایک ساز ایجاد کیا تھا جس کا نام "طنبورہ" ہے۔

شاہ صاحب کا انتقال ۱۷۵۱ء میں ہوا۔ اُن کا مزار بھٹ شاہ میں ہے۔ جہاں ہر سال عُرس ہوتا ہے۔ اِس عُرس میں اتنے لوگ جمع ہوتے ہیں کہ ایک میلے کا سماں نظر آنے لگتا ہے۔ لوگ شاہ صاحبؒ سے گہری عقیدت رکھتے ہیں۔

خالِد کے اَبّا نے اپنی بات ختم ہی کی تھی کہ ہم لوگ بھٹ شاہ پہنچ گئے۔

صُبح کی آمد

خَبَر دِن کے آنے کی میں لا رہی ہُوں
اُجالا زمانے میں پھیلا رہی ہُوں
بَہار اپنی مَشرِق سے دِکھلا رہی ہُوں
پُکارے گلے صاف چِلّا رہی ہُوں
اُٹھو سونے والو کہ میں آ رہی ہُوں

اَذاں پر اَذاں مُرغ دینے لگا ہے
خوشی سے ہر اِک جانور بولتا ہے
درختوں کے اُوپر عجب چَہچَہا ہے
سُہانا ہے وقت اور ٹھنڈی ہوا ہے
اُٹھو سونے والو کہ میں آ رہی ہُوں

یہ چِڑیاں جو پیڑوں پہ ہیں غُل مچاتی
اِدھر سے اُدھر اُڑ کے ہیں آتی جاتی
دُموں کو ہِلاتی پَروں کو پُھلاتی
مِری آمد آمد کے ہیں گیت گاتی
اُٹھو سونے والو کہ میں آ رہی ہُوں

محمد اسمٰعیل میرٹھی
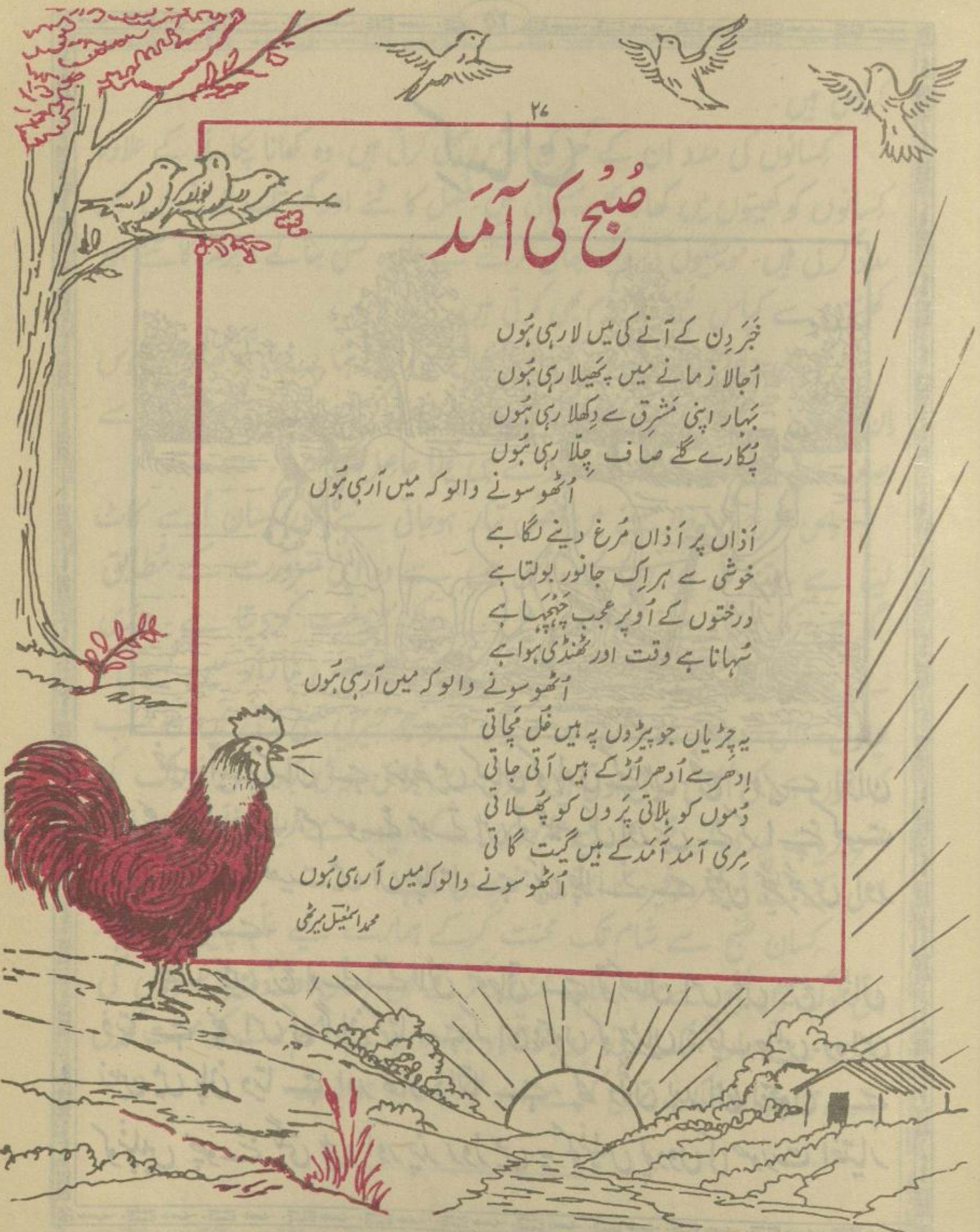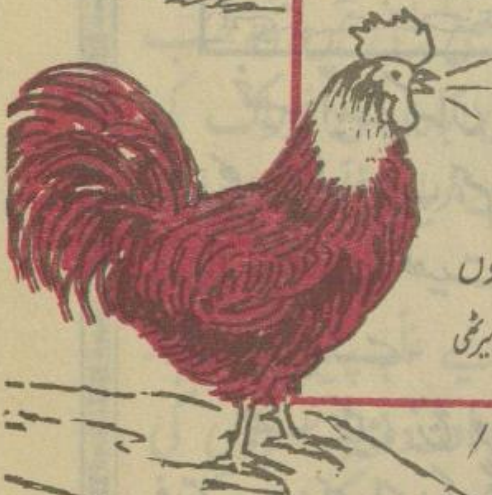
کِسان

خمیسو ایک کِسان ہے۔ سِندھ میں کِسان کو ہاری کہتے ہیں۔ صُبح سویرے اذان سے بھی پہلے جب ہم سوئے ہوتے ہیں تو خمیسو ہَل اور بَیل لے کر اپنے کھیت پر چلا جاتا ہے۔ کھیت میں ہَل چلاتا ہے۔ ہَل چلانے سے زمین بُھربُھری اور نَرم ہوجاتی ہے۔

جب زمین بیج بونے کے لائق ہوجاتی ہے تو کسان اس میں بیج ڈال دیتا ہے۔ پھر اس کی نگرانی کرتا ہے کہ اِن بیجوں کو چڑیاں نہ چُگ جائیں۔ وہ اِس زمین میں پانی دیتا ہے اور کھاد ڈالتا ہے۔ کچھ دنوں بعد ان بیجوں سے کونپلیں پھوٹنے لگتی ہیں اور چند روز میں یہ کونپلیں پودوں کی صورت اختیار

کرلیتی ہیں۔

کسانوں کی مدد ان کے گھر کی عورتیں بھی کرتی ہیں۔ وہ کھانا پکانے کے علاوہ کسانوں کو کھیتوں میں کھانا بھی پہنچاتی ہیں۔ فصل کاٹنے اور گھر تک لانے میں بھی مدد کرتی ہیں۔ مویشیوں کی دیکھ بھال کرنے کے علاوہ لسی بنانے، چرخہ کاتنے اور کھیتوں سے کپاس چُننے کا کام بھی کرتی ہیں۔

کسان دِن بھر اِن پودوں کی دیکھ بھال میں لگا رہتا ہے، جو گھاس پھوس اِن پودوں کے آس پاس نکل آتا ہے اُسے صاف کرتا رہتا ہے تاکہ زمین سے صِرف اُس کے اُگائے ہوئے پودے ہی غذا حاصل کرسکیں۔

اِس طرح تین چار مہینے میں فصل تیّار ہوجاتی ہے اور کسان اُسے کاٹ لیتا ہے۔ جتنا غلّہ پیدا ہوتا ہے اُس میں سے وہ اپنی ضرورت کے مُطابق گھر میں رکھ لیتا ہے۔ باقی منڈی میں لے جاکر فروخت کردیتا ہے۔ منڈی سے یہ غلّہ مُلک کے مختلف شہروں میں پہنچتا ہے۔ ہمیں بازار میں گیہوں، چاول، دال، دوسرے اَناج اور سبزیاں وغیرہ جو چیزیں بھی ملتی ہیں، وہ سب کسانوں ہی کی اُگائی ہوئی ہوتی ہیں۔ تیزی سے بڑھتی ہوئی آبادی کی خوراک کی ضروریات پوری کرنے کے لیے ضروری ہے کہ زیادہ سے زیادہ غلّہ اُگایا جائے۔ اس کے لیے ٹریکٹر وغیرہ کا استعمال ضروری ہے۔

کسان صُبح سے شام تک محنت کرکے ہمارے لیے غلّہ پیدا کرتا ہے۔ باقی لوگ بھی صُبح سے شام تک محنت کرتے ہیں۔ کسان اور دوسرے لوگوں کی محنت سے ہمارا مُلک روز بروز طاقتور بنتا جارہا ہے۔ ہم سب کو محنت کرنی چاہیے تاکہ ہمارا مُلک ترقّی کرے اور خوش حال ہوجائے۔

سیما کی عید
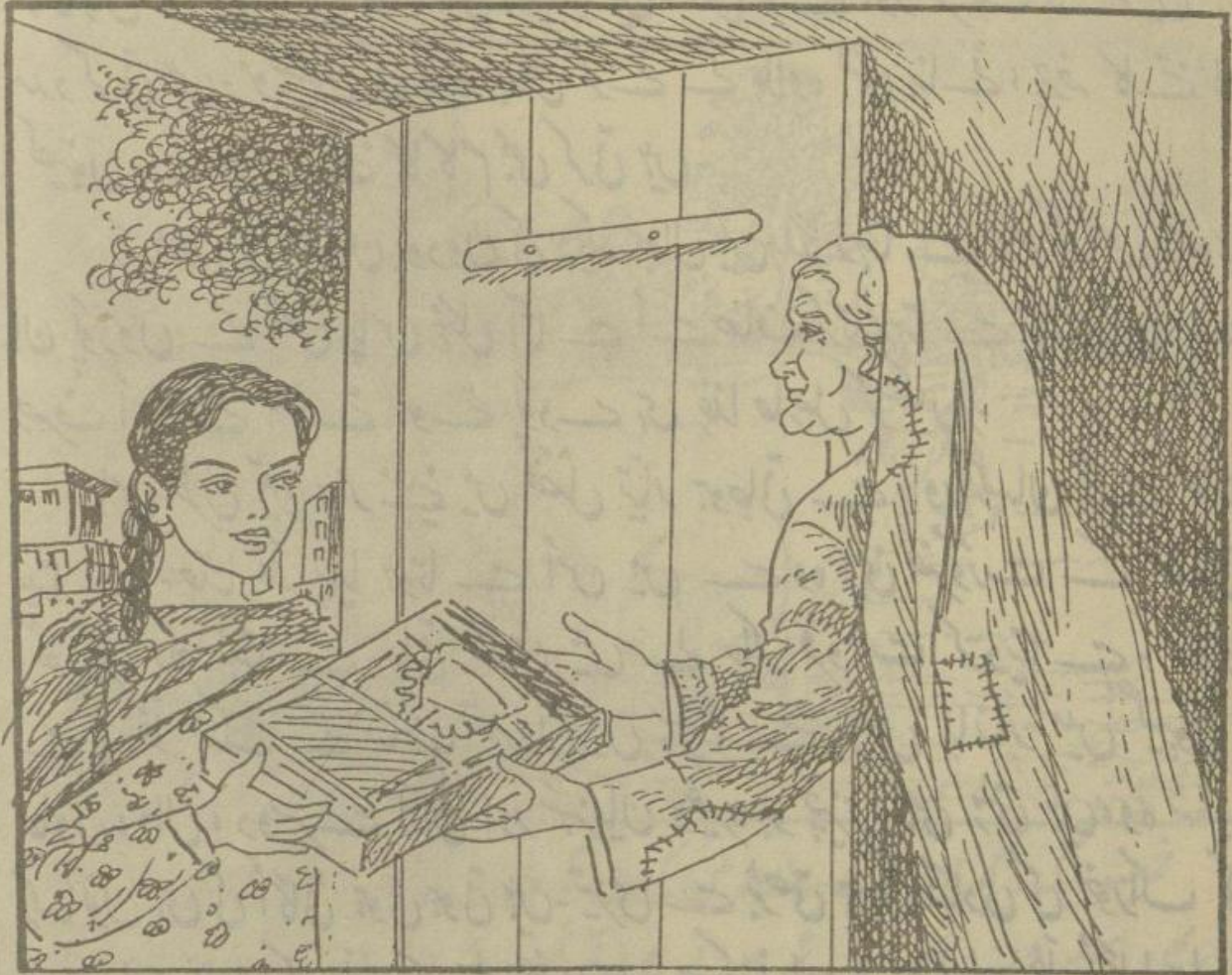
نسیم بہت نیک لڑکی تھی۔ اس نے اپنے ابّا سے کہا:

نسیم: ابّا جی! اس عید پر مجھے ستاروں والا دوپٹہ لادیجیے۔

ابّا: بیٹی ابھی کچھ ماہ پہلے تو دوپٹہ لایا تھا۔ کیا دوپٹوں کی دکان کھولو گی؟

نسیم: وہ تو پھٹ گیا۔ میں عید پر نیا دوپٹہ اوڑھوں گی۔

ابّا: اچھا، میں کل تمھارے لیے ستاروں والا دوپٹہ لادوں گا۔

دوسرے دن نسیم کے ابّا ایک اچھّا سا دوپٹہ لے آئے۔ وہ بہت خوش ہوئی۔ اگلے دن وہ اپنی سہیلی سیما کے گھر گئی۔ سیما ایک غریب لڑکی تھی۔ وہ یتیم تھی۔ اس کے ماں باپ فوت ہو چکے تھے۔ وہ اپنی نانی اماں کے پاس رہتی تھی۔ نسیم بھی ان کو نانی اماں کہتی تھی۔ اس نے کہا: نانی اماں! میرے ابّا ستاروں والا دوپٹہ لائے ہیں، میں عید پر اوڑھوں گی۔ نانی اماں بہت خوش ہوئیں اور کہا! اللہ مبارک کرے۔ اللہ تم کو اور دے۔ نسیم نے پوچھا: نانی اماں! سیما کے لیے کیسا دوپٹہ آیا ہے، ذرا دکھائیے۔ نانی امّاں رنجیدہ ہوگئیں۔ بولیں: "سیما کے ابّا اللہ میاں کو پیارے ہو گئے، دوپٹہ کون لائے"۔ یہ بات سُن کر نسیم کو بہت رنج ہوا۔ گھر واپس آکر وہ سیما کے بارے میں سوچتی رہی۔ اُس کے پاس تو نئے کپڑے بھی نہیں ہیں، چوڑیاں بھی نہیں ہیں۔ ہائے بے چاری کی عید بالکل بے مزا ہوگی! پُرانے کپڑوں میں اُس کو کیا لُطف آئے گا۔

دوسرے دن وہ دوبارہ سیما کے گھر گئی اور اپنے نئے کپڑے اور نیا دوپٹہ نانی اماں کو دے دیا اور کہا: "یہ میں سیما کے لیے لائی ہوں"۔

دوسرے دن نسیم نے ابّا کو بتایا تو وہ بہت خوش ہوئے۔ انھوں نے نسیم کو نئے کپڑے بھی بنوا دیے اور نیا دوپٹہ بھی لا دیا۔

آزادی یا موت

مولانا محمد علی جوہر نے اِبتدائی تعلیم بریلی میں پائی۔ اعلیٰ تعلیم کے لیے وہ علی گڑھ گئے جو مُسلمانوں کا سب سے بڑا کالج تھا۔ علی گڑھ نے اُن کی خوبیوں کو اور چمکایا۔ وہاں سے وہ پڑھنے کے لیے اِنگلستان گئے اور بی۔ اے کی ڈگری حاصل کی۔ وطن واپس آکر اُنھوں نے "کامریڈ" نام کا ایک انگریزی اخبار

نکالا۔ اِس اخبار سے وہ تمام ملک میں مشہور ہو گئے۔ بعد میں اُنھوں نے ایک اور اُردو اخبار "ہمدرد" بھی نکالا۔ محمّد علی جوؔہر بڑے مُقرّر تھے۔ وہ دُرست اور صحیح انگریزی بولتے اور لکھتے تھے۔

محمد علی جوؔہر بہت جوشیلے آدمی تھے۔ اُن کے سینے میں قوم کا دَرد تھا۔ وہ بچپن ہی سے بہت ذہین تھے۔ وہ مُسلمانوں کے سچّے خیر خواہ تھے۔ اُن کی خاطر اُنھیں کئی بار جیل جانا پڑا۔ اُن کے اخبار بند کر دیے گئے۔ اُن کا پریس ضَبط کر لیا گیا۔ لیکن انھوں نے ہمّت نہ ہاری۔ بار بار جیل جانے اور مُسَلسَل محنت کرنے سے اُن کی صِحّت خراب ہو گئی۔ وہ وطن کی آزادی کی خاطِر انگلستان گئے تو اُن کی صِحّت جواب دے چکی تھی۔ ملک کی آزادی کے لیے انھوں نے وہاں نہایت زور دار تقریر کی اور کہا: "میں غلام مُلک میں جانے کے بجائے ایک آزاد مُلک میں مَرنا پسند کروں گا"۔ اِتّفاق دیکھیے کہ اُن کی یہ آرزُو بھی پوری ہوئی۔ ان کا اِنتِقال ۴ جنوری ۱۹۳۱ء کو اِنگلستان میں ہُوا اور اُن کی خواہش کے مُطابق اُنھیں بَیتُ المُقدّس میں دَفن کیا گیا۔

بھائی بُھلکّڑ

دوست ہیں اپنے بھائی بُھلکڑ
باتیں ساری اُن کی گڑبڑ

راہ چلیں تو رستہ بھولیں
بس میں جائیں تو بستہ بھولیں

ریل میں جب یہ حضرت بیٹھے
پہنچے چار اسٹیشن آگے

ٹوپی ہے تو جُوتا غائب
جُوتا ہے تو موزا غائب

پیالی میں ہے چمچا اُلٹا
پھیر رہے ہیں کنگھا اُلٹا

لوٹ پڑیں گے چلتے چلتے
چونک اُٹھیں گے بیٹھے بیٹھے

سودا لے کر دام نہ دیں گے
دام دیے تو چیز نہ لیں گے

شان الحق حقی
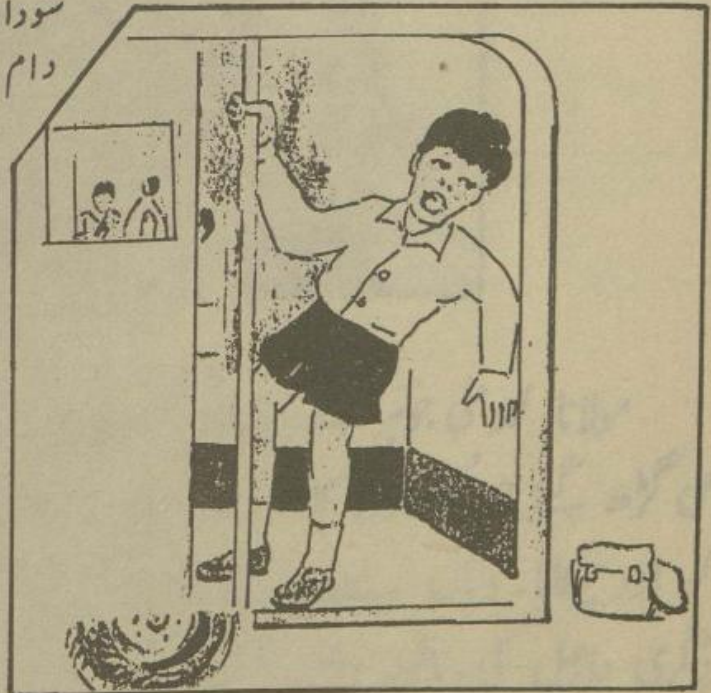
صِحّت وصَفائی

سلیم جب اسکول سے گھر آیا تو اُس کے ابّاجان نے پُوچھا: "آج تم دیر سے کیوں آئے؟"

سلیم: آج اسکول میں ڈاکٹر صاحب آئے تھے۔ ہم اُن کی تقریر سُن رہے تھے۔

ابّاجان: اُنھوں نے کیا کیا باتیں بتائیں؟

سلیم: ڈاکٹر صاحب نے اپنی تقریر میں بتایا کہ رات کو جلدی سونا چاہیے اور صبح سویرے اُٹھنا چاہیے۔ رات کو جلدی سونے سے دن بھر کی تھکن دُور ہوجاتی ہے اور صُبح سویرے اُٹھنے سے آدمی تازہ دم رہتا ہے۔ صُبح کی تازہ ہَوا صِحّت بخش ہوتی ہے اور آدمی کو اس سے فَرحَت حاصل ہوتی ہے۔

صُبح اُٹھ کر غُسل کرنا چاہیے۔ مِسواک یا منجن سے اچھّی طرح دانت صاف کرنے

چاہییں۔ ناک، حلق اور آنکھوں کی صفائی بھی بہت ضروری ہے۔ نہانے کے بعد بالوں کو اچھی طرح خشک کر کے تیل ڈالنا چاہیے۔ زیادہ لمبے بالوں کی جڑیں کمزور ہوتی ہیں۔ ایسے بالوں میں تیل ہر جگہ نہیں پہنچتا اور نہ کنگھی اچھی طرح سے کی جاسکتی ہے۔ اس لیے لڑکوں کو بال زیادہ بڑھانا مناسب نہیں ہے۔

ناخن بڑھ جائیں تو اُن میں مَیل جمع ہوجاتا ہے۔ اِس مَیل میں بیماریوں کے ننّھے ننّھے کیڑے چھُپے رہتے ہیں۔ جن کو ہم دیکھ نہیں سکتے۔ ان کیڑوں کو جراثیم کہا جاتا ہے۔ یہ جراثیم کھانے پینے کی چیزوں کے ساتھ پیٹ میں چلے جائیں تو ہم طرح طرح کی بیماریوں کا شکار ہوجائیں۔ اس لیے ناخنوں کو نہ بڑھنے دینا چاہیے۔ اگر ہم اِن باتوں کا خیال رکھّیں تو بہت سی بیماریوں سے بچ جائیں۔

اَبّا جان: ڈاکٹر صاحب نے تمھیں بہت کام کی باتیں بتائیں۔ ہم سب کو اِن پر عمَل کرنا چاہیے۔

عبداللہ نے مزدوری کی

آج بہت دنوں بعد دادی امّاں آئی ہیں۔ سیما اور فرُّخ دادی امّاں کے پاس آکر بیٹھ گئے۔

سِیما: دادی امّاں! کوئی کہانی سُنائیے۔

فَرُّخ: ہاں دادی امّاں! کہانی سُنے بغیر ہم نہ سوئیں گے۔

دادی امّاں: اچھّا شور مت مچاؤ۔ میں تمھیں ایک سچّی کہانی سُناتی ہوں۔

فَرُّخ: ہاں ہاں دادی امّاں! سچّی کہانی سنائیے گا۔

دادی امّاں: لو سُنو! عبداللہ ایک بہت غریب آدمی تھا۔ اُس کے پاس کھانے
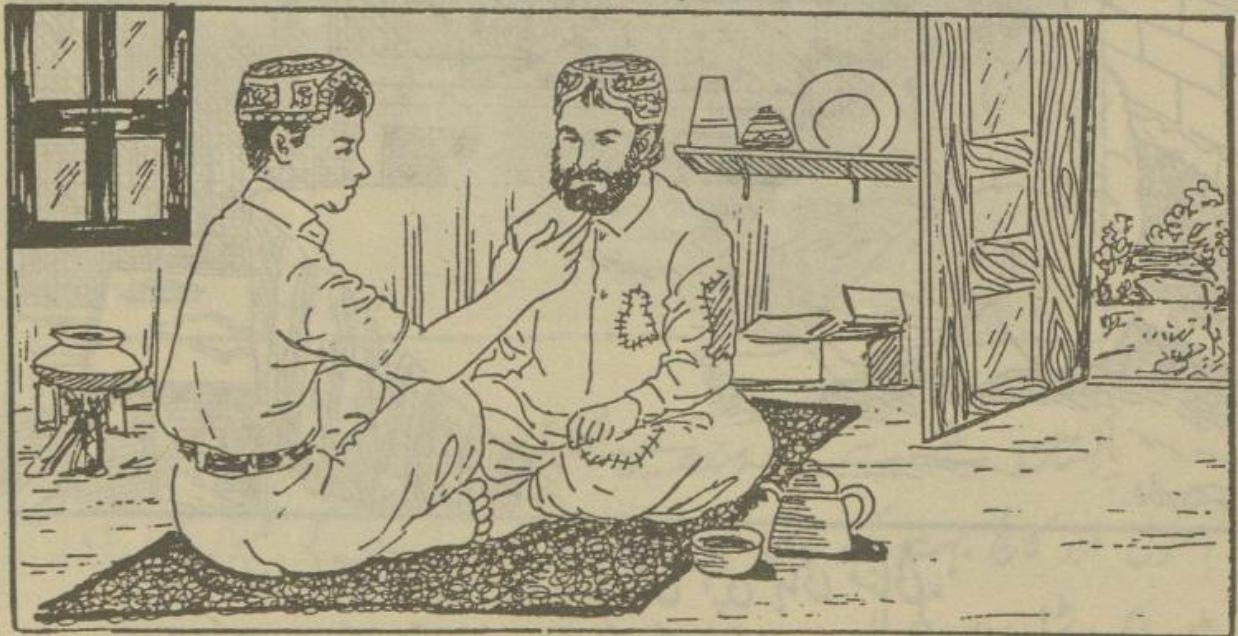
کو کچھ نہ تھا۔ وہ بہت پریشان رہتا۔ کسی سے مانگ کر کھانے کو بُری بات سمجھتا تھا۔ لیکن محنت مزدوری سے بھی جی چُراتا تھا۔ ایک دِن اس کا دوست سلیم

اُس سے مِلنے آیا۔ عبداللہ کا یہ حال دیکھ کر اُس کو بہت افسوس ہوا۔ سلیم نے عبداللہ سے کہا: "بھائی عَبدُاللہ! تمھاری پریشانی دُور ہوسکتی ہے۔ اگر تُم مزدُوری کرو تو میں تمھارے لیے کوئی کام تلاش کروں۔" عبداللہ نے جواب دیا: "نا، بابا نا۔ مزدُوری اپنے بس کی نہیں۔ خاندان والے کیا کہیں گے۔ ہر شخص مجھے حقیر سمجھے گا۔" سلیم نے کہا: "میاں عبداللہ محنت مزدُوری میں کوئی ذِلّت نہیں۔ محنت کروگے تو تمھیں پیسے ملیں گے۔" سلیم کے سمجھانے پر عَبداللہ راضی ہوگیا۔ دوسرے دِن سے وہ کپڑے کے کارخانے میں کام کرنے لگا۔ جہاں اُسے روزانہ بارہ روپے مِلتے۔ اِن میں سے وہ سات روپے خرچ کرتا اور پانچ روپے بچا کر رکھ لیتا۔ اِسی طرح کئی سال گزر گئے۔ اب وہ اَچّھا کھاتا تھا، اَچّھا پہنتا تھا اور خوش رہتا تھا۔

سیما: واہ دادی امّاں! آپ نے کتنی اچّھی کہانی سُنائی۔

دادی امّاں: دیکھا بچّو! محنت کا پھَل کتنا اَچّھا ہوتا ہے۔ مزدُوری کرنے میں کوئی ذِلّت نہیں۔ محنت سے عِزّت مِلتی ہے۔

حسن علی آفندی
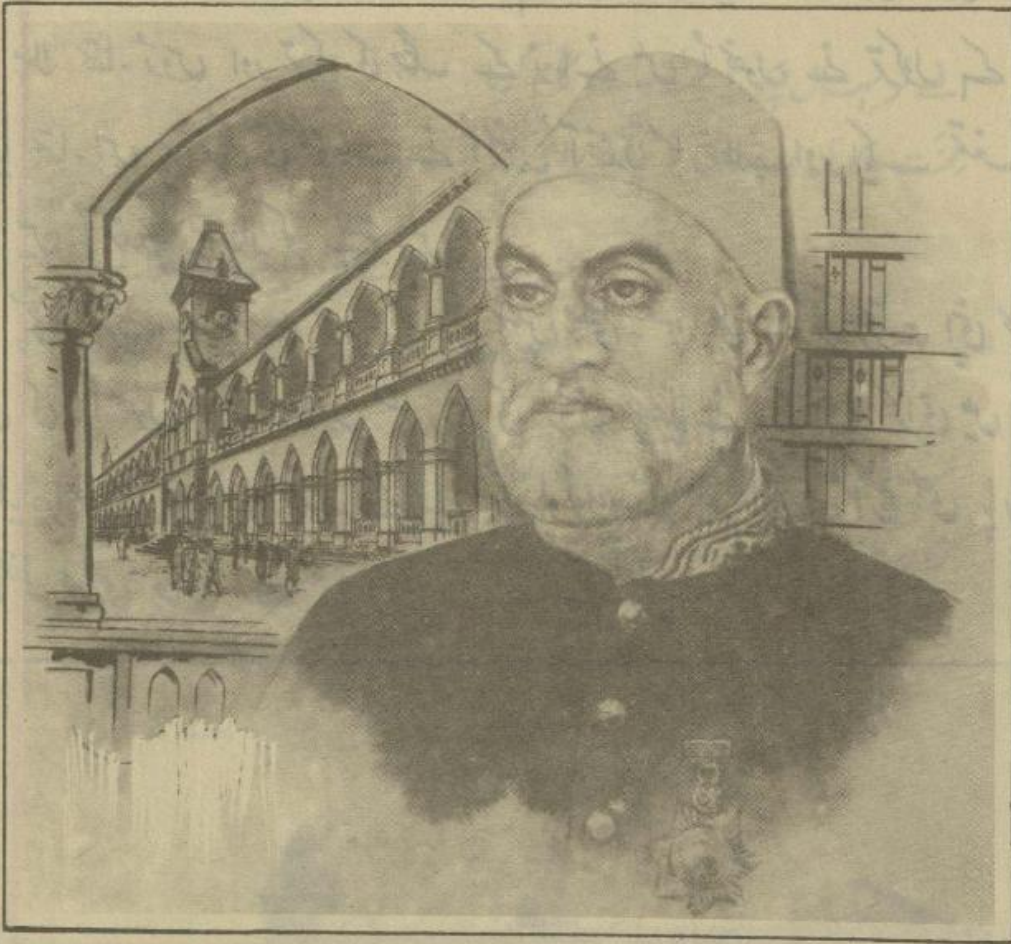
پاکستان بننے سے پہلے سندھ میں مُسلمانوں کی تعلیم کا اِنتظام اَچھا نہ تھا۔یہاں اِسکول اور کالج بہت کم تھے۔حَسَن علی آفندی نے اِس کمی کو محسوس کیا اور کراچی میں ایک بڑا مدرسہ کھولا۔

حَسَن علی آفندی حیدرآباد سندھ میں پیدا ہوئے۔اُن کے والد کا نام میاں محمد احسان آخوند تھا۔وہ بچپن ہی سے بہت ذہین تھے۔اُنھوں نے فارسی اور عربی

زبانیں گھر پر سیکھیں۔ یہ وہ زمانہ تھا جب بہت کم مسلمان انگریزی زبان جانتے تھے۔ حسن علی نے اپنی محنت، شوق اور لگن سے انگریزی زبان بھی سیکھی۔

حَسَن علی قومی کاموں میں بڑھ چڑھ کر حِصّہ لیتے تھے۔ اُنھیں خان بہادر کا خطاب بھی مِلا تھا، لیکن جو خطاب اُن کے نام کا حِصّہ بن گیا، وہ اُنھیں تُرکی کی حکومت سے مِلا تھا۔ رُوس اور ترکی کی جنگ کے زمانے میں اُنھوں نے ترکوں کے لیے چندہ جمع کیا تھا۔ اس پر ترکی کی حکومت نے اُنھیں "آفندی" کا خطاب اور ایک تمغا دیا۔ ترکی زبان میں "آفندی" سردار کو کہتے ہیں۔

سچّی شہرت اور عزّت کام کیے بغیر نہیں مِلتی۔ حسن علی نے یہ عزّت اپنی محنت سے حاصِل کی۔ اُنھوں نے مُسلمانوں میں عِلم کی روشنی پھیلانے کے لیے کراچی میں "سندھ مدرسہ" قائم کیا۔ اِس میں ہمارے مُلک کے بے شُمار لوگوں نے تعلیم پائی اور آج بھی پا رہے ہیں۔ قائدِ اعظم محمد علی جناح نے بھی اِسی مدرسے سے تعلیم حاصِل کی۔
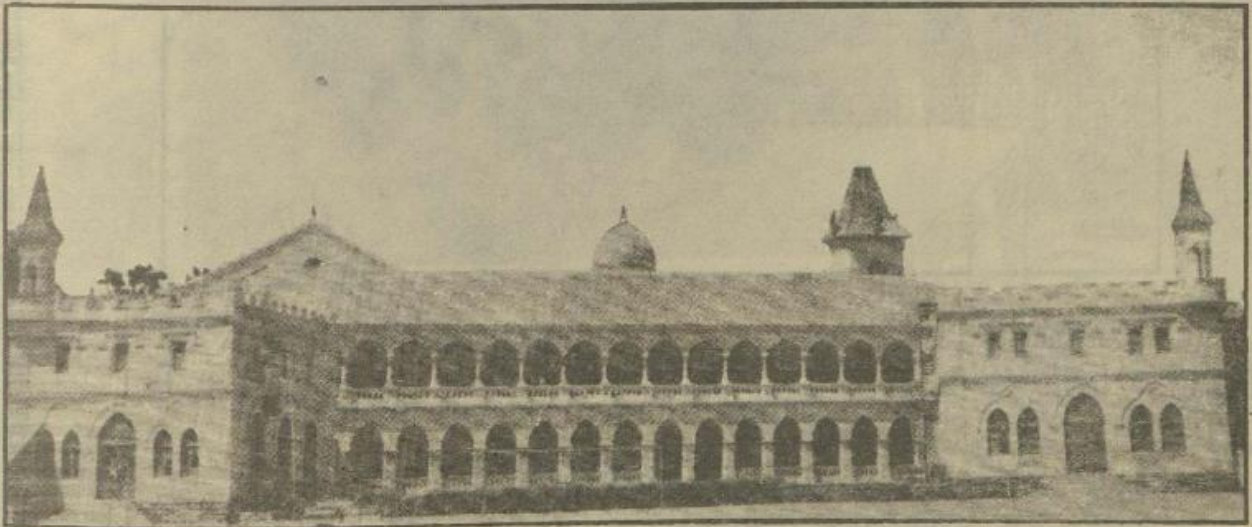
پاکستان بننے کے بعد سندھ میں تعلیم عام ہوگئی، اس ترقّی کو دیکھ کر ہمیں حسن علی آفندی یاد آتے ہیں۔ اُن کی زندگی ہم سب کے لیے نمونہ ہے۔

محنت سے چل رہے ہیں دُنیا کے کارخانے

اے نونہال بچو! محنت سے کام کرنا
محنت کے بل پہ ساری دُنیا کو رام کرنا

محنت سے چل رہے ہیں دُنیا کے کارخانے
محنت سے بل رہے ہیں ہر قوم کو خزانے

سب دُستکاریوں میں ڈالی ہے جان اس نے
مزدور کو دِکھادی دَولت کی کان اس نے

محنت کرے گا جو بھی دَولت اُسے ملے گی
راحت اُسے ملے گی، عزّت اُسے ملے گی

جو قوم چاہتی ہے دُنیا میں نام کرنا
نیّر وہ جانتی ہے محنت سے کام کرنا

محمد شفیع الدین نیّر
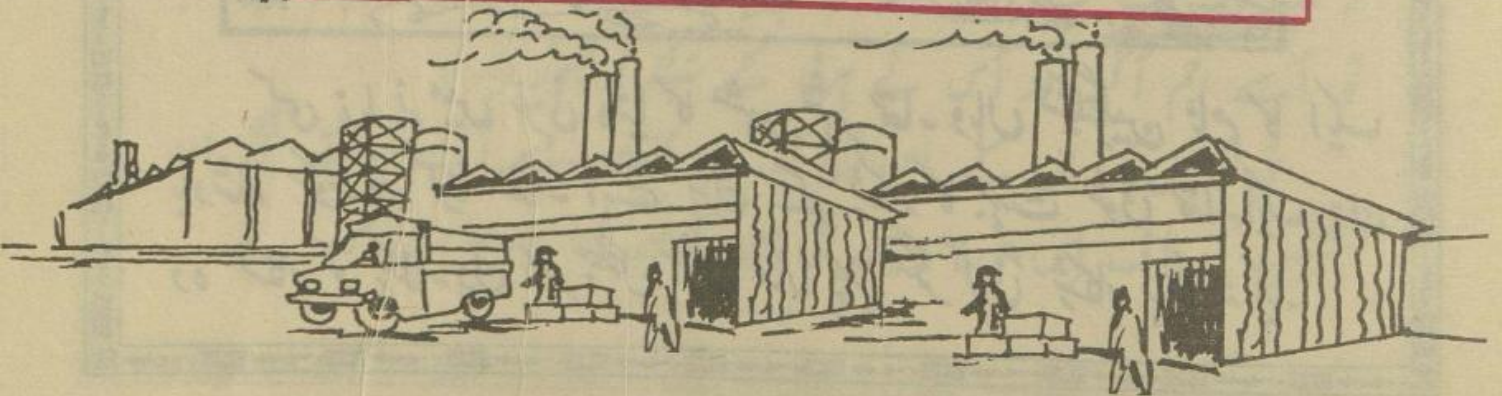
بے زبان پر رحم

سلمیٰ: ماموں جان! اَلسَّلامُ عَلَیْکُم۔
ماموں جان: وَعَلَیْکُمُ اَلسَّلام۔
سلمیٰ: ماموں جان! نیند نہیں آرہی ہے کوئی اچّھی سی کہانی سُنائیے۔
ماموں جان: کہانی! اچّھا لو سُنو!

کسی زمانے میں غزنی دنیا کا مشہور شہر تھا۔ وہاں سُبکتگین نام کا ایک بادشاہ حکومت کرتا تھا۔ اُسے ہرن کے شِکار کا بہت شوق تھا۔ ایک دِن وہ شکار کو نِکلا۔ دِن بھر جنگل جنگل مارا پھرا مگر کوئی شِکار ہاتھ نہ آیا۔

شام کے وقت اس کی نظر ایک ہرنی اور اُس کے بچّے پر پڑی۔ سُبکتگین نے اپنا گھوڑا اُن کے پیچھے دوڑا دیا۔ ہرنی تو نِکل گئی بچّہ پیچھے رہ گیا۔ سُبکتگین نے اُسے پکڑلیا اور گھوڑے پر ڈال کر شہر کی طرف روانہ ہُوا۔
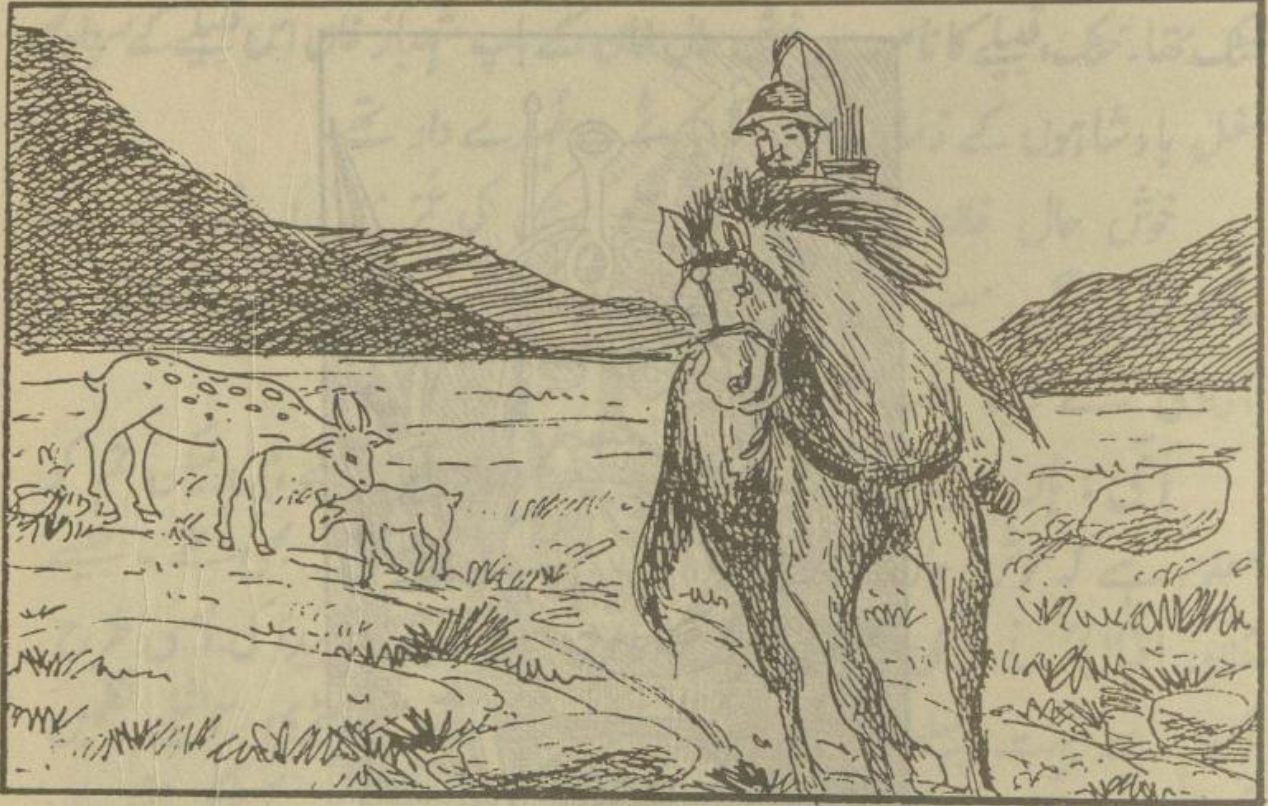
ہرنی دُور سے یہ سب دیکھ رہی تھی۔ جب اُس نے دیکھا کہ اُس کے بچّے کو شِکاری لیے جارہا ہے تو وہ بے چین ہوگئی اور اپنی جان کی پروا کیے بغیر گھوڑے کے پیچھے پیچھے چلنے لگی۔ سُبکتگین نے جب یہ دیکھا کہ بچّے کی محبت سے مجبُور ہوکر ماں اپنی جان کو خطرے میں ڈال کر چلی آرہی ہے تو اُسے رحم آگیا اور اُس نے ہرنی کے بچّے کو چھوڑ دیا۔

بچّہ اُچھل کر ماں کے پاس پہنچ گیا۔ ماں محبت سے اُسے چاٹنے لگی اور سُبکتگین کی طرف اِس طرح دیکھنے لگی جیسے اُسے دُعا دے رہی ہو۔

خُوش حال خاں خٹک

فرحت : اَمّی ، اَمّی ! آج ہمارے اسکول میں ایک نیا لڑکا داخل ہوا ہے۔
اَمّی : یہ کون سی خاص بات ہوئی جو تُم اِتنے شوق سے بتا رہے ہو۔
فرحت : نہیں اَمّی ! ہُوا یہ کہ جب ماسٹر صاحب نے اُس کا نام پُوچھا تو اُس نے کہا کہ میرا نام خوش حال خان ہے۔

اَمّی : یہ بھی کوئی خاص بات نہیں ہے۔
فرحت : اَمّی آپ پوری بات تو سُنیے۔

اَمّی : اَچھا سُناؤ!

فرحت : ہمارے ماسٹر صاحب اُس کا نام سُن کر بولے، بھائی یہ تو بہت اَچھا نام ہے۔ سَرحد کے صُوبے میں ایک بہت مشہور آدمی گزرے ہیں اُن کا نام خوش حال خان خٹک تھا۔ خٹک، قبیلے کا نام ہے۔ خوش حال خان کے باپ شہباز خان اس قبیلے کے سردار تھے۔ مغل بادشاہوں کے زمانے میں وہ ایک بڑے عُہدے دار تھے۔

خوش حال خان خٹک پہلی بار تیرہ برس کی عُمْر میں اپنے باپ کے ساتھ ایک جنگ میں شریک ہوئے۔ پھر تو اُن کی ساری زندگی پٹھانوں کی آزادی کے لیے جنگ میں گزری۔

اَمّی : ہاں بیٹے! ہمارے پٹھان بھائی بہت دلیر ہوتے ہیں۔ لیکن تم کو معلوم ہے کہ خوش حال خاں خٹک ایک بہت بڑے شاعر بھی تھے۔ جیسے عَلّامہ اقبالؒ نے قومی نظمیں کَہ کر مُسلمانوں میں بیداری پیدا کی۔ اُسی طرح اُن سے بہت پہلے خوش حال خان خٹک نے پشتو میں بڑی جوشیلی نظمیں کہیں اور مُسلمانوں کو اُن کی عظمت کا احساس دِلایا اُن کی نظمیں آج تک مشہور ہیں۔

فرحت : اِس کا مطلب یہ ہے کہ خوش حال خان خٹک قلم اور تلوار دونوں کے دُھنی تھے۔

اَمّی : ہاں بیٹا! مُسلمان کو ایسا ہی ہونا چاہیے۔ اُسے اپنے حق کی خاطر قلم اور تلوار دونوں سے کام لینا چاہیے۔

پاکِستان ہمارا

ہے اب اس پر دھیان ہمارا
مقصد ہے ہر آن ہمارا
بلکہ ہے ایمان ہمارا
مُلک چڑھے پروان ہمارا

پیارا پاکِستان ہمارا

اِس پر اپنا خُون بہایا
لاکھوں جانیں دے کر پایا
ہو اَب تیرا فضل خُدایا
دِن دُونا ہو رات سوایا

مُلک یہ عالی شان ہمارا

شان ہو اس کی سب سے اعلیٰ
عِلم کا ہو ہر دِل پہ سِکّہ
صنعت میں سب مانیں لوہا
اور سب سے اُونچا ہو جھنڈا

پورا ہو ارمان ہمارا
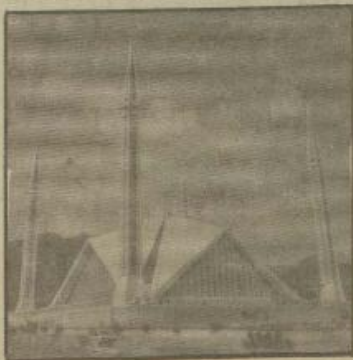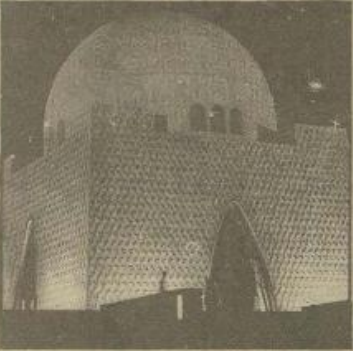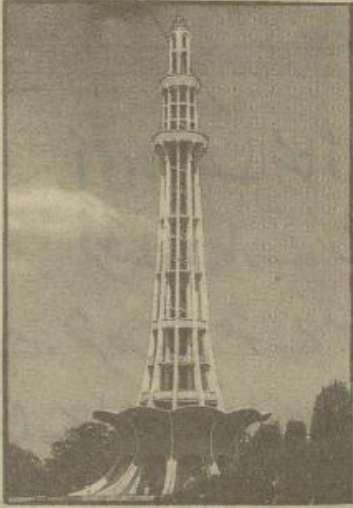
ہالا کی دست کاری
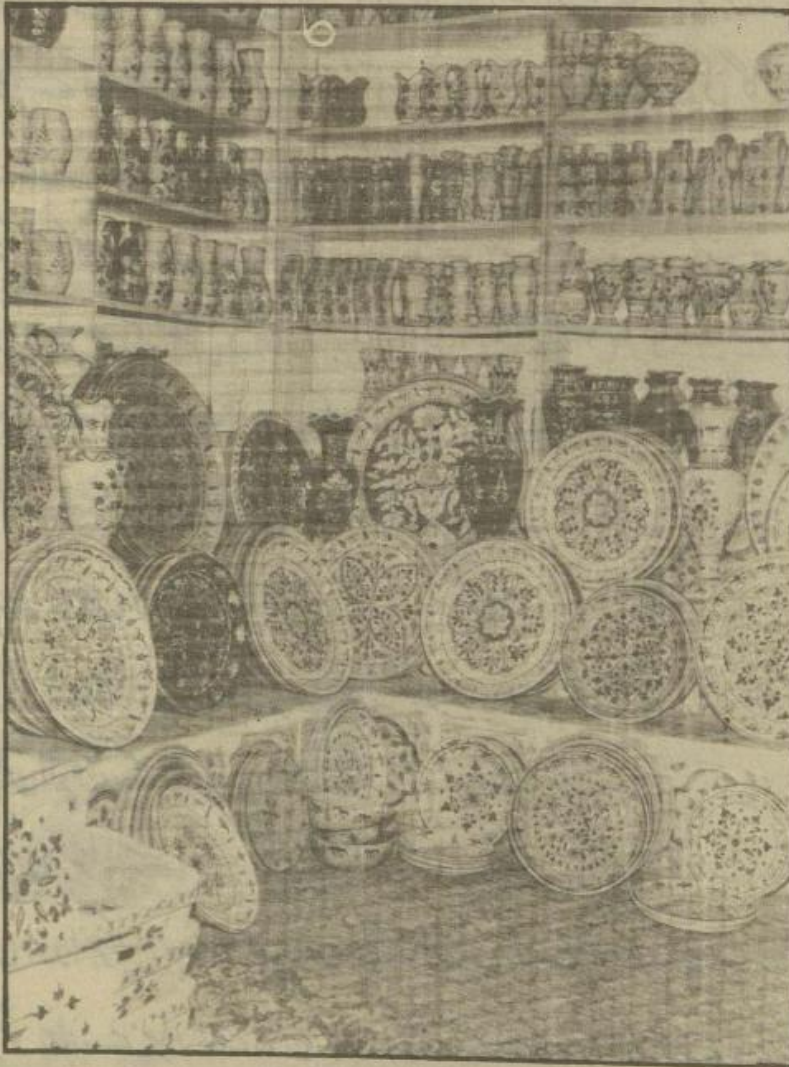
دریائے سندھ کے کنارے باہَن (ایک قسم کا درخت) کی لکڑی کے گھنے جنگل دیکھنے میں آتے ہیں۔ "باہَن" کی لکڑی بڑی مضبوط ہوتی ہے۔ اِس پر خَراد کا کام ہو سکتا ہے۔

ہالا (ضلع حیدرآباد) خَراد کے کام کی وجہ سے مشہور ہے۔ یہاں کے لوگ اِس کام میں بڑی مہارت رکھتے ہیں۔ یہ لوگ شہروں میں رہ کر کام نہیں کرتے بلکہ گاؤں میں

خراد کی چیزیں تیار کرتے ہیں اور اس سے حاصل ہونے والی آمدنی پر گزارہ کرتے ہیں۔ یہ کاری گر خاندانی پیشہ ور ہوتے ہیں۔ یعنی باپ اپنے بیٹے کو سکھاتا ہے اور پھر بیٹا اپنے بیٹے کو یہ ہنر سکھاتا ہے۔ اسی طرح یہ ہنر ایک خاندان میں چلتا رہتا ہے۔ لوگ اپنے بچّوں کو شروع سے ہی اس کام کی تربیت دیتے ہیں تاکہ وہ جلد ہی مہارت حاصل کرلیں۔

ہالا کے جھولے اور پلنگ بھی بے حد مشہور ہیں۔ گُل دستے، بچّوں کی گاڑیاں، کھلونے، آئینوں کے فریم، زیور رکھنے کے ڈبّے اور دوسری بہت سی مصنوعات لوگ بڑے شوق سے خریدتے ہیں۔

یہاں کا خراد کا کام اور دوسری مصنوعات دیکھنے میں نہایت خوب صورت ہوتی ہیں۔ ان کے ماہرین ان پر طرح طرح کے نقش و نگار اور پھول پتّیاں بناتے ہیں جو دیکھنے سے تعلق رکھتی ہیں۔

ہالا میں مٹّی کے برتن، اینٹوں اور کھلونوں پر رنگائی کا کام بھی بہت خوب صورت ہوتا ہے۔ اِسے کاشی کا کام کہتے ہیں اور کاشی کا کام کرنے والے کو کاشی گر کہا جاتا ہے۔ یہ کاشی گر بھی خراد کا کام کرنے والوں کی طرح خاندانی پیشہ ور ہوتے ہیں۔

شاہ عبداللطیف بھٹائیؒ کے مقبرے، مسجد اور مخدوم نوحؒ کی درگاہ اور مسجد، مٹیاری کے پیر ہاشم شاہؒ اور رُکن الدینؒ کے مقبروں پر کاشی کا اعلیٰ درجے کا کام ہے۔

اس شہر میں کپڑا بُننے اور رنگنے کا کام بھی اعلیٰ درجے کا ہوتا ہے۔ ہالا کا کھدر کا کپڑا، سُوسیاں، گربیاں اور اجرکیں بہت مشہور ہیں۔ لوگ انھیں بڑے شوق سے پہنتے ہیں۔

ذرا دیکھو تو ہمارے پیارے وطن میں کیسے کیسے عُمدہ ہنرمند موجود ہیں۔ ہمیں چاہیے کہ ہم اپنے وطن کے کاری گروں کی عزّت کریں اور ان کی بنائی ہوئی چیزیں شوق سے خریدیں اور ان صنعتوں کو ترقّی دیں۔

ایک دِن کی بات
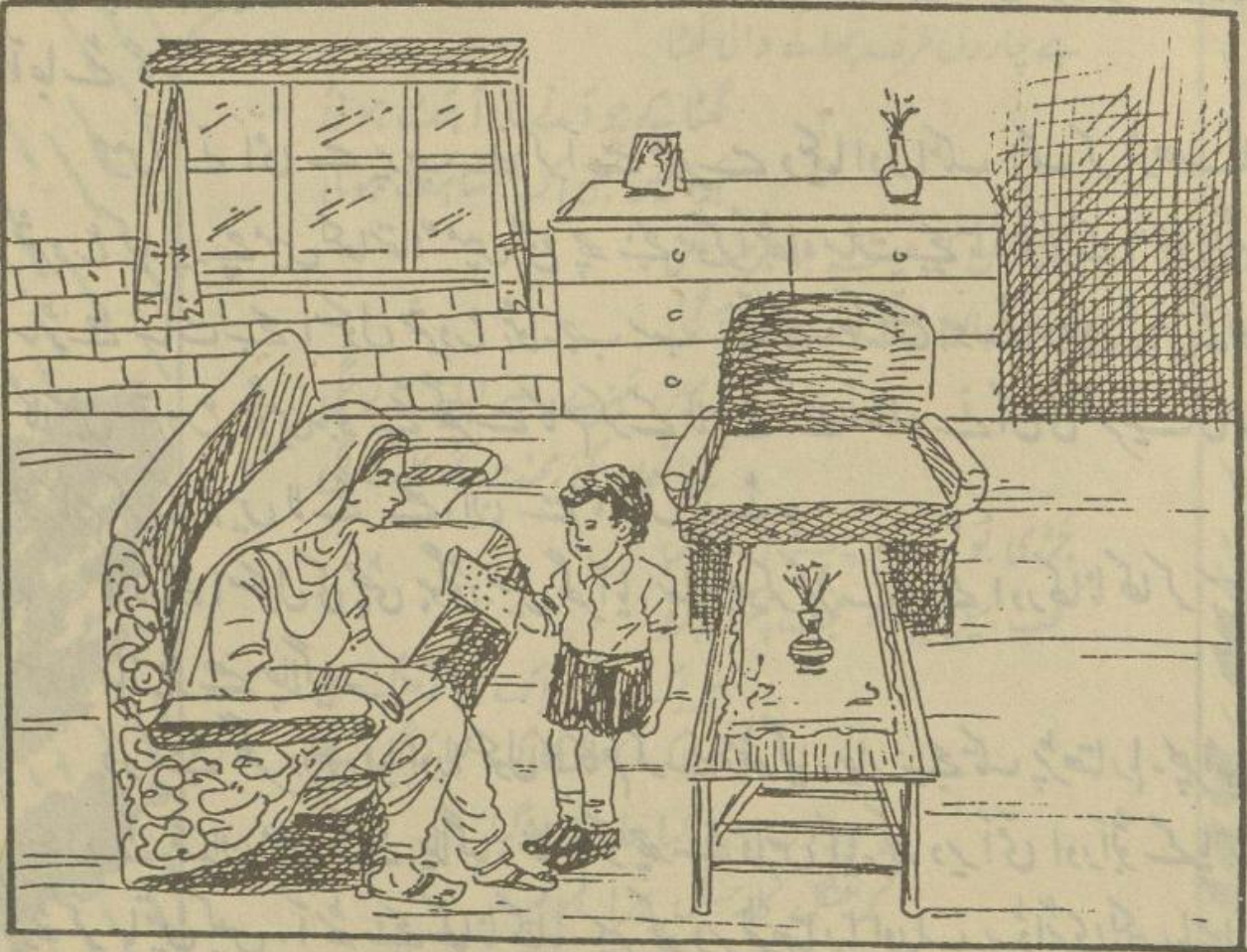
کل میں اِسکول جارہا تھا۔ راستے میں میری نظر ایک صاف سُتھرے کاغذ کے ٹکڑے پر پڑی۔ اِس میں سطریں کھِنچی ہوئی تھیں اور ہاتھ سے کُچھ لکھّا ہُوا تھا۔ میں نے اُسے اُٹھا کر بستے میں رکھ لیا۔ چھُٹّی کے وقت، جب میں گھر پہُنچا تو وہ پرچہ میں نے اپنی اَمّی کو دیا۔ وہ اُس کو پڑھ کر مُسکرانے لگیں۔ میں نے کہا: "اَمّی! ذرا، ہمیں بھی پڑھ کر سُنایئے" اَمّی نے کہا "تم ہاتھ مُنہ دُھو کر کھانا کھالو، پھر سُن لینا۔"

مَیں نے ہاتھ مُنہ دھویا، اَمّی کے ساتھ کھانا کھایا اور پھر ہاتھ دھو کر کُلّی کر کے اَمّی کے پاس جا بیٹھا۔ اَمّی نے وہ پرچہ نکال کر مجھے دیا اور کہا: "لو پڑھو۔" میں نے کہا "امّی! مجھ سے تو نہیں پڑھا جائے گا۔" اَمّی نے کہا: "واہ، تم تیسری جماعت میں آ گئے اور اتنا سا پرچہ نہیں پڑھ سکتے۔ دیکھو کتنا صاف صاف لکھا ہے۔ ذرا کوشش کرو تو سمجھ میں آ جائے گا۔"

میں نے اَمّی سے پرچہ لے کر اُسے غور سے دیکھا اور اٹک اٹک کر پڑھنا شروع کیا۔ پرچے میں لکھا تھا: "میں صبح چھ بجے سو کر اُٹھا، سات بجے ناشتا کر کے اسکول چلا گیا ساڑھے سات بجے اسکول شروع ہُوا۔ جب سب بچّے ایک جگہ جمع ہوئے، دعا ہوئی اس کے بعد کلاسیں شروع ہوئیں۔ جو بچّے گھر سے کام کر کے لائے تھے، اُستاد نے اُن کی تعریف کی۔ جو کام کر کے نہیں لائے تھے، اُن سے ناراض ہوئے۔

بارہ بجے اسکول کی چھٹی ہو گئی۔ میں گھر آیا، نہا دھو کر کپڑے بدلے اور کھانا کھا کر مسجد میں نماز پڑھنے چلا گیا۔

دو بجے گھر واپس آیا اور اسکول کا کام کرنے بیٹھ گیا۔ چار بجے تک پڑھتا رہا۔ پھر اپنے اسکول کے مَیدان میں کھیلنے چلا گیا۔ شام کو چھ بجے واپس آیا۔ کچھ دیر اَمّی اور اَبّو کے پاس بیٹھ کر باتیں کیں۔ آٹھ بجے کھانا کھایا۔ پھر کچھ دیر پڑھتا رہا اور اب یہ ڈائری لکھ رہا ہوں۔ دس بج رہے ہیں، نیند آ رہی ہے، اب سو جانا چاہیے، سویرے اُٹھنا ہے۔

جب میں پرچہ پڑھ چکا تو اَمّی نے مجھے شاباشی دی اور کہا: "بیٹے! یہ کسی محنتی بچّے کی ڈائری کا ورق ہے، اگر اسی طرح تم بھی محنت سے پڑھو گے تو بڑے ہو کر کام کے آدمی بن جاؤ گے۔"

برسات

وہ دیکھو اُٹھی کالی کالی گھٹا
ہے چاروں طرف چھانے والی گھٹا

گھٹا کے جو آنے کی آہٹ ہوئی
ہَوا میں بھی اِک سَنسناہٹ ہوئی

گھٹا آن کر مینہ جو برسا گئی
تو بے جان مِٹّی میں جان آ گئی

زمیں سبزے سے لہلہانے لگی
کِسانوں کی محنت ٹھکانے لگی

جڑی بوٹیاں، پیڑ آئے نکل
عجب بیل پتے، عجب پھول پھل

ہر اِک پیڑ کا اِک نیا ڈھنگ ہے
ہر اِک پھول کا اِک نیا رنگ ہے

یہ دو دِن میں کیا ماجرا ہو گیا
کہ جنگل کا جنگل ہرا ہو گیا

مولوی محمد اسماعیل میرٹھی

سچّی خوشی

میرا نام جاوید ہے۔ میں تیسری جماعت میں پڑھتا ہوں۔ میرا گھر شہر میں بازار کے قریب ہے۔ مجھے اپنے گھر میں بازار کا سارا شور وغُل سُنائی دیتا ہے۔ میں اِس شور اور ہنگامے سے کبھی کبھی گھبرا جاتا ہوں۔ کیوں کہ اِس شور کی وجہ سے میں سُکون سے پڑھ نہیں سکتا۔ چھٹیوں میں جب میں گاؤں جاتا ہوں تو مجھے وہاں کی زندگی پُرسُکون لگتی ہے۔ وہاں کی تازہ ہَوا، ہرے بھرے کھیت اور سر سبز باغات عجَب سَماں پیدا کرتے ہیں۔

دو مہینے پہلے کی بات ہے۔ دُوسری جماعت کا امتحان دینے کے بعد میں اپنے ماموں جان کے پاس گاؤں چلا گیا۔ اِس بار ماموں جان بہت پریشان نظر آرہے تھے۔ میں نے اپنے ماموں زاد بھائی رشید سے پوچھا تو پتا چلا کہ ماموں جان سَیلاب کی وجہ سے پریشان ہیں۔ آس پاس کے کئی گاؤں سیلاب کی وجہ سے تباہ ہوگئے تھے۔ بہت سے لوگ جن کے گھر سیلاب میں بہ گئے تھے ماموں جان کے گاؤں میں پناہ لینے آرہے تھے۔

اِن لوگوں کی حالت دیکھ کر میرا دِل بھر آیا۔ اُن کے بچّے کھُلے آسمان کے نیچے پھٹے پُرانے کپڑے پہنے پڑے ہوئے تھے۔ مجھُ سے اُن کی یہ حالت دیکھی نہ گئی۔ میں دوڑا دوڑا گھر آیا اور اپنی دو قمیضیں اور ایک چادر لے کر اُن لوگوں کے پاس گیا۔ یہ دونوں چیزیں میں نے اُن کو دے دیں اور اپنے دل میں خوش ہوتا ہُوا واپس چلا آیا۔ دوسرے دِن بھی میں نے اپنے کچھ کپڑے اُن لوگوں میں

تقسیم کر دیے۔ اس طرح میں نے تین چار روز میں بہت سے کپڑے اور ضرورت کی چیزیں اُن لوگوں میں بانٹ دیں۔ اب میرے پاس صرف وہی کپڑے تھے، جو میں پہنے ہوئے تھا، لیکن میرا دِل بہت خوش تھا۔

گاؤں میں ایک مہینا رہنے کے بعد جب شہر آنے لگا تو میرا صندوق خالی تھا۔ لیکن میرا دِل خوشیوں سے بھرا ہوا تھا۔ گھر آکر میں نے ابّا جان کو یہ ساری باتیں بتائیں۔ وہ بہت خوش ہوئے۔ اُنھوں نے اپنی جیب میں ہاتھ ڈالا۔ میں یہ سمجھا کہ وہ مجھے انعام میں کچھ پیسے دے رہے ہیں۔ لیکن جب اُن کا ہاتھ باہر آیا تو میں نے دیکھا کہ اُس ہاتھ میں نتیجے کا کارڈ تھا۔ میں اپنی جماعت میں اوّل آیا تھا۔

معصُوم شاہ کا مِینار

سکّھر سِندھ کا قدِیم تاریخی شہر ہے۔ یہ شہر دریائے سِندھ کے کنارے واقع ہے۔ یہ ایک بارَونق اور بڑا شہر ہے اور اپنی تجارت کی وجہ سے مشہور ہے۔ سکّھر میں وہ تمام خوبیاں موجود ہیں جو کسی بارونق شہر میں ہونی چاہییں۔ اِس شہر کو اگر سِندھ کا حُسن کہا جائے تو بے جا نہ ہوگا۔

سکھر شہر میں کتنی ہی جگہیں دیکھنے کے لائق ہیں۔ جیسے دریائے سندھ کی بندرگاہ، مسجد منزل گاہ، لینس ڈاؤن پُل، ایوب پُل، سکھر بیراج، پیر الٰہی بخش ٹاور، سادھ بیلا، زندہ پیر، بسکٹ فیکٹریاں، ہوزری کے کارخانے، کپڑے اور مٹھائیوں کے چھوٹے بڑے کارخانے، لیکن اِن سب سے زیادہ شاندار اور تاریخی یادگار "معصوم شاہ کا مینار" ہے۔

یہ شاندار مینار جس کی تعمیر کو تقریباً چار سو سال گزر چکے ہیں ایک اُونچی پہاڑی پر واقع ہے۔ یہ مینار معصوم شاہ بکھری نے بنوایا تھا۔ اِس مینار کی بلندی ۲۶ میٹر ہے اور اس پر چڑھنے کے لیے چوراسی سیڑھیوں کا چکر دار زینہ ہے۔

اِس زِینے کے پاس ایرانی طرز کی ایک عمارت ہے جس پر آٹھ پہلو گنبد بنا ہوا ہے۔ اِس عمارت کو لوگ "فیض محل" کہتے ہیں۔ اس کے نزدیک میر معصوم شاہ بکھری اور اُن کے خاندان کی قبریں ہیں۔ اس مینار کی تعمیر کا کام میر معصوم شاہ بکھری نے خود شروع کرایا تھا۔

مینار کی تعمیر ابھی پوری نہیں ہوئی تھی کہ میر معصوم شاہ وفات پا گئے۔ اُن کی وفات کے بعد باقی کام ان کے لڑکے نے پورا کرایا۔

میر معصوم شاہ کے مینار پر چڑھ کر شہر کے چاروں طرف نظر ڈالی جائے تو پورے شہر کا منظر نہایت دِل کش اور حسین نظر آتا ہے۔

میں چھوٹا سا اِک لڑکا ہوں

میں چھوٹا سا اِک لڑکا ہوں، پر کام کروں گا بڑے بڑے

جتنے بھی لڑاکا لڑکے ہیں، میں سب کو نیک بناؤں گا
جو بِکھرے ہوئے ہمجولی ہیں، اُن سب کو ایک بناؤں گا

سب آپس میں مل جائیں گے جو رہتے ہیں اب لڑے لڑے
میں چھوٹا سا اِک لڑکا ہوں، پر کام کروں گا بڑے بڑے

یہ عِلم کی ہیں جو روشنیاں، میں گھر گھر میں پھیلاؤں گا
تعلیم کا پرچم لہرا کر، میں سَر سیّد بن جاؤں گا

بے کار گزاروں عُمر بھلا، کیوں اپنے گھر میں پڑے پڑے
میں چھوٹا سا اِک لڑکا ہوں، پر کام کروں گا بڑے بڑے

میں چار طرف لے جاؤں گا، اقبالؒ نے جو پیغام دیا
میں ہی وہ پرندہ ہوں جس کو، اس نے شہباز کا نام دیا

اب میرے پَروں سے چمکیں گے، سب ہیرے موتی جڑے جڑے
میں چھوٹا سا اِک لڑکا ہوں، پر کام کروں گا بڑے بڑے

جمیل الدین عالیؔ

کوٹڑی بیراج
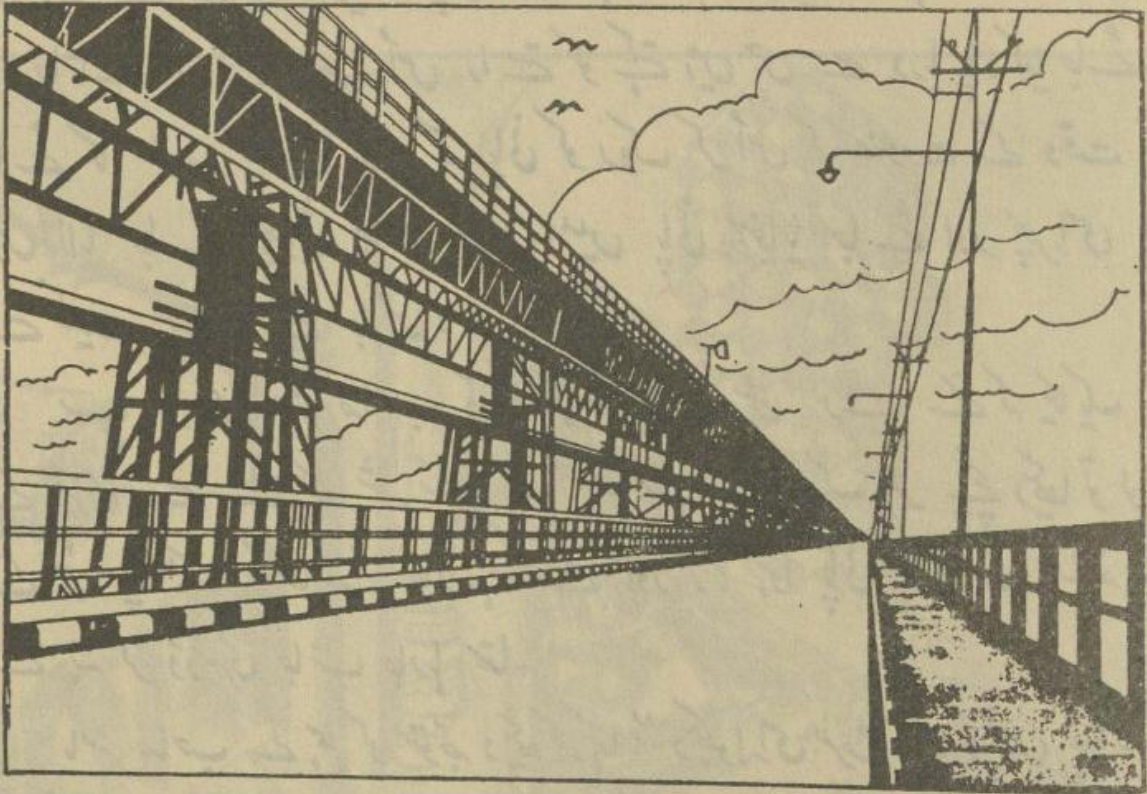
جمعہ کا دِن تھا۔ ہم سب کو ماسٹر صاحب کے ساتھ کوٹڑی بیراج دیکھنے جانا تھا۔ صُبح سویرے ہی سب بچّے اسکول کے مَیدان میں جمع ہونا شروع ہوگئے۔ میں بھی اَپنے ہم جماعتوں کے ساتھ اسکول پہنچ گیا۔ تمام بچّوں کے چہرے خوشی سے دَمک رہے تھے۔ جب سب بچّے جمع ہوچکے تو ہم کوٹڑی بیراج کی طرف روانہ ہوگئے۔

کوٹڑی بیراج پہنچ کر ہم اِس کی سیر کو نِکلے۔ اِتنا بڑا پُل اس سے پہلے کِسی نے نہیں دیکھا تھا۔ اِس لیے اُسے دیکھ کر حیران تھے۔ سمجھ میں نہ آتا تھا

کہ اتنا بڑا پُل کس طرح بنایا گیا ہوگا۔ آخر ایک ساتھی نے ماسٹر صاحب سے یہ سوال پوچھ ہی لیا۔

ماسٹر صاحب نے مُسکراتے ہوئے کہا: ”بیٹا! اِسے پُل نہ کہو، یہ بند ہے۔ اِس بند کے ذریعے دریا کا پانی روکا جاتا ہے۔ دریا کے بہاؤ کا رُخ بھی بدلا جاتا ہے۔ پل تو ہم صرف اُس راستے کو کہتے ہیں جس سے دریا پار کیا جائے۔ بند بنانے کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ پانی کو روک کر اُس کو ضرورت کے وقت کام میں لایا جائے۔ چھوٹی چھوٹی نہروں میں پانی پہنچایا جائے اور پھر اسی پانی سے کھیت سیراب کیے جائیں۔“

سب لڑکے ماسٹر صاحب کی گفتگو غور سے سُن رہے تھے کہ یکایک پانی کے تیزی سے بہنے کا شور سُنائی دیا۔ ہم سب نے جُھک کر نیچے دیکھا تو لوہے کے کئی پھاٹک اُٹھائے جا رہے تھے اور رُکا ہوا پانی تیزی کے ساتھ نیچے سے بہ کر دُوسری جانب جا رہا تھا۔

ماسٹر صاحب نے ہم کو متوجہ دیکھ کر کہا: ”دیکھو! اِسی طرح کے چوالیس پھاٹک ہیں جو پانی کی رَوانی کو روک کر نہروں میں پہنچاتے ہیں۔ اِس طرح کے پھاٹک نہروں کے دہانوں پر بھی ہیں۔ اس طرح جس جگہ جتنے پانی کی ضرورت ہوتی ہے وہاں اُتنا ہی پانی چھوڑ دیا جاتا ہے۔ سیلاب کے پانی پر قابو پانے کے لیے بھی بیراج بہت کارآمد ثابت ہوتا ہے۔“

بہت دیر تک گھوم پھر کر ہم لوگ واپس ہونے لگے تو شام ہوگئی تھی۔ ہماری بس شہر کی طرف چلنے لگی اور بیراج کی خوبصورت روشنیاں ہم کو دور تک نظر آتی رہیں۔

ماروُئی

سندھ کی لوک کہانیوں میں عُمر مارئی کی کہانی بہت اہم ہے۔
جب عُمرکوٹ کے حاکم عُمر سومرو ماروئی کو اُس کے گھر اور رشتے داروں سے جُدا کرکے عُمرکوٹ کے قلعے میں لے آیا تو ماروئی کو بے حد غم ہُوا۔ اُسے اپنے رشتے داروں سے بچھڑنے کا اِس قدر افسوس تھا کہ اُس نے کھانا پینا تک

چھوڑ دیا۔ وہ اکثر ایک درخت کے نیچے خاموش بیٹھی رہتی۔ ہر وقت اپنے گھر اور رشتے داروں کے بارے میں سوچتی اور اُنھیں یاد کر کر کے روتی رہتی لیکن اُسے اِس بات کا بھی یقین تھا کہ اللہ تعالیٰ اس پر مہربان ہوگا اور وہ ضرور اپنے گھر، عزیزوں اور رشتے داروں میں واپس چلی جائے گی۔

عُمر سومرو کا خیال تھا کہ ماروی شاہی عیش و آرام میں اپنے گھر اور رشتے داروں کو بھول جائے گی لیکن ایسا نہیں ہُوا۔ ماروی کے دل میں اپنے گھر اور رشتے داروں سے محبّت اور بھی بڑھ گئی۔

اِسی حالت میں ایک سال گزرگیا۔ ماروی روتی رہی اور اللہ پاک سے دُعائیں مانگتی رہی کہ وہ اُسے اُس کے گھر، عزیزوں اور رشتے داروں میں پہنچادے۔ عُمر سومرو پر ماروی کے اخلاق، ہمت، حُبّ الوطنی اور اپنے عزیزوں سے محبّت کا بڑا اثر ہوا۔ اس نے اپنی غلطی مان لی اور ماروی کو آزاد کرکے اُس کے گھر بھیج دیا۔

سندھ کے مشہور شاعر شاہ عبداللّطیف بھٹائیؒ نے اس کہانی پر نظمیں لکھی ہیں۔ اس میں ماروی کی ہمت، اخلاق، اپنے گھر اور رشتے داروں سے محبّت کا ذکر بڑے دل چسپ انداز سے کیا ہے۔
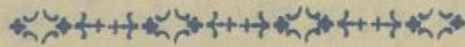
ساری دُنیا اپنا گھر ہے

ساری دُنیا اپنا گھر ہے
مِل کر اِسے سجاؤ
آپا دھاپی چھوڑ کے بچّو!
پیار کے دِیے جلاؤ

کیسا غُصّہ، کیسی خفگی
کیسی مار کٹائی
جو پھنستے ہیں اِن باتوں میں
وہ شیطان کے بھائی

اَچھی اَچھی باتیں سیکھیں
سچّائی کو مانیں
جو اَچھے ہیں اِس دُنیا میں
اُن کو اپنا جانیں

مِل کر کھیلیں مِل کر کھائیں
مِل کر سیر کو جائیں
رنگ رنگیلے پھولوں والا
پیار کا باغ لگائیں

اُس سچّے خالق نے بچّو!
اِنساں ہمیں بنایا
عقل کا نُور عطا فرما کر
رُتبہ خُوب بڑھایا

اَچھے اَچھے کاموں سے اب
اپنی شان بڑھاؤ
ساری دُنیا اَپنا گھر ہے
مِل کر اِسے سجاؤ

نظر زیدی

کیماڑی

گرمیوں کی چھٹیوں میں احمد اپنے والد صاحب کے ساتھ کراچی کی سیر کرنے کے لیے گیا۔ احمد کے والد کے ایک دوست کیماڑی میں رہتے تھے جن کے یہاں وہ جا کر ٹھہرے۔ دوسرے دِن صبح ناشتا کرنے کے بعد احمد کے ابّا بولے، "بیٹے! جلدی سے تیّار ہو جاؤ آج تمھیں کیماڑی کی بندرگاہ کی سیر کرائیں گے۔"
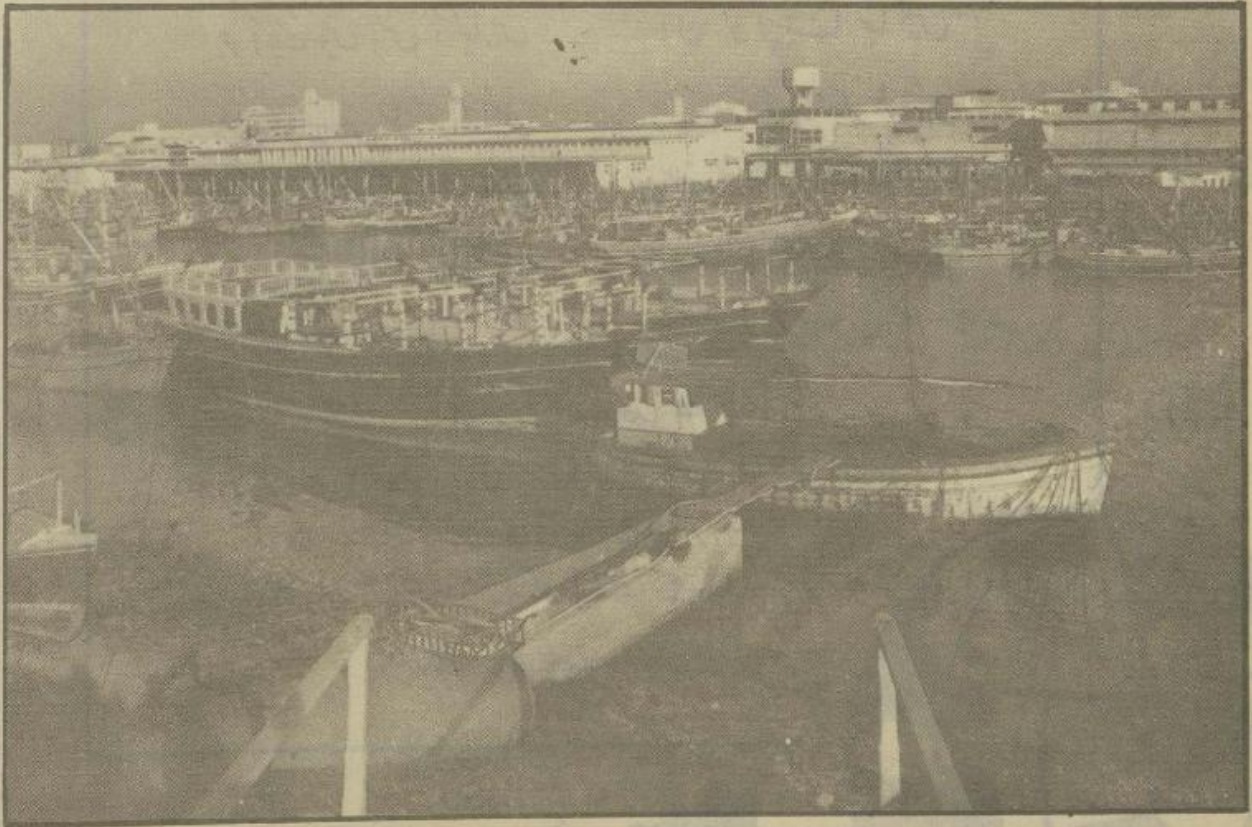
احمد کپڑے بدل کر تیّار ہوگیا اور اپنے ابّا کے ساتھ بندرگاہ پر آیا۔ بندرگاہ دیکھ کر تو وہ حیران رَہ گیا۔ اِس سے پہلے اُس نے کبھی سمندر نہیں دیکھا تھا۔ دُور تک پانی ہی پانی نظر آرہا تھا۔ سمندر کی بڑی بڑی لہریں ایک شور کے ساتھ کنارے

کی طرف آتیں اور ختم ہوجاتی تھیں۔ سمندر کے کنارے بڑے بڑے جہاز دیکھ کر اپنے ابّا سے پوچھا: "ابّو! سمندر میں یہ اتنے بڑے بڑے محل کس نے بنائے"۔ وہ بولے یہ محل نہیں ہیں۔ پانی کے جہاز ہیں۔ پانی کے جہاز دو قسم کے ہوتے ہیں۔ سواری کے جہاز، جن میں لوگ سفر کرتے ہیں اور دوسرے وہ جو سامان لاتے اور لے جاتے ہیں۔ یہ سامان کے جو بڑے بڑے بنڈل دیکھ رہے ہو یہ دُوسرے مُلکوں سے جہازوں میں لادکر لائے گئے ہیں۔ یہ جو اُونچی سی لوہے کی مشین ہے اسے "کرین" کہتے ہیں۔ اس کے ذریعے یہ تمام سامان جہازوں پر سے اُتارا اور چڑھایا جاتا ہے۔

احمد: ابّو! وہ اُس طرف سمندر کے بیچ میں ایک مینار سا نظر آرہا ہے، وہ کیا ہے؟

باپ: بیٹے! یہ مینار سمندر میں نہیں ہے۔ یہ منوڑے میں ہے۔ اسے "لائٹ ہاؤس" یا "روشنی کا مینار" کہتے ہیں۔ اِس میں بجلی کی بڑی بڑی بتیاں لگی ہوئی ہیں جو رات کے وقت گھومتی رہتی ہیں

احمد: ابّو! اِس لائٹ ہاؤس کے کیا فائدے ہیں؟

باپ: اس لائٹ ہاؤس کی روشنی سمندر میں بہت دُور سے دکھائی دیتی ہے۔

جہاز کا کپتان یہ روشنی دیکھ کر سلامتی سے بندرگاہ میں پہنچتا ہے۔

احمد: ابّو! مجھے منوڑا نہیں دکھائیں گے؟

باپ: بیٹے! کیوں نہیں، ضرور دکھاؤں گا۔

احمد: اچھا تو منوڑا کیسے جائیں گے؟

باپ: اس طرف دیکھو! بادبانوں کے بغیر چھوٹی کشتیاں پانی میں جو تیز تیز تیرتی ہوئی نظر آرہی ہیں اُنھیں "لانچ" کہتے ہیں۔ آج شام کو ہم لانچ میں سوار ہوکر منوڑا چلیں گے۔

احمد: ابّو! آپ نے بتایا تھا کہ کچھ دن پہلے سمندر میں بہت سی مچھلیاں مرگئیں تھیں۔ وہ کیسے؟

باپ: احمد بیٹے! کارخانوں اور گندے نالوں کا زہریلا پانی جب سمندر میں شامل ہوجاتا ہے تو اس علاقے کا سمندری پانی زہرآلودہ ہوجاتا ہے جس کی وجہ سے سمندری جانور مرجاتے ہیں۔ یہ واقعہ اسی وجہ سے ہوا تھا۔

ڈاکیا
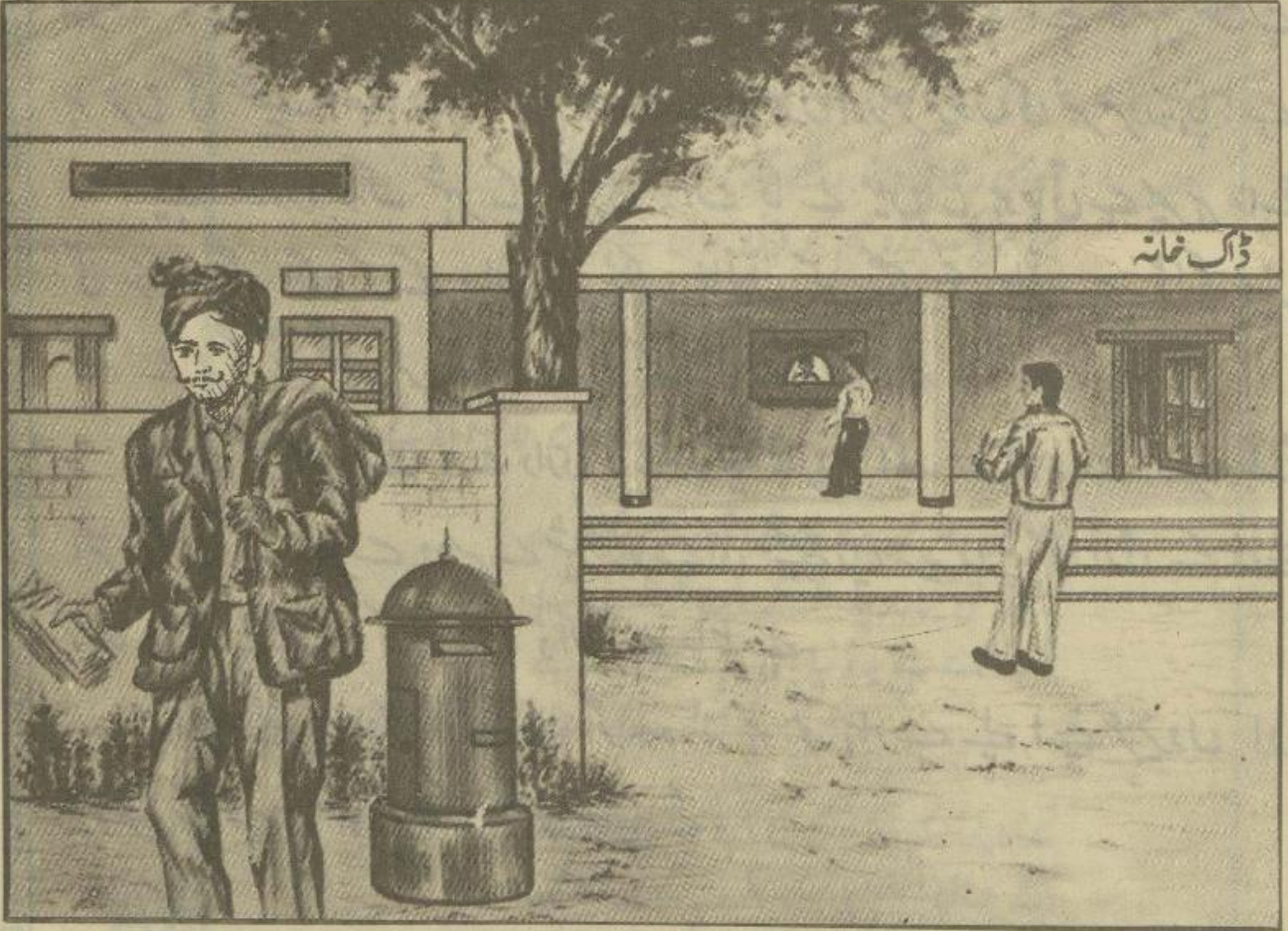
حامدہ کو ٹکٹ جمع کرنے کا بہت شوق ہے۔ اس شوق کی وجہ سے ہر جگہ
اس کی دو چار سہیلیاں موجود ہیں وہ ان سہیلیوں کو خط بھیجتی ہے اور وہ سہیلیاں
اس کے خطوں کا جواب دیتی ہیں۔ ان خطوں پر رنگ برنگے ٹکٹ لگے ہوتے
ہیں۔ ہر ملک کے ٹکٹ الگ ہوتے ہیں۔ اگر ان خطوں پر ٹکٹ نہ لگائے
جائیں تو بے رنگ ہو جائیں۔ اس لیے حامدہ ہمیشہ اپنے خطوں پر احتیاط
سے ٹکٹ لگاتی ہے۔ حامدہ کے نام اکثر اس طرح کے خط آتے ہیں۔ اس لیے
وہ روزانہ ڈاکیے کے انتظار میں رہتی ہے۔

ڈاکیا ظاہر میں ایک معمولی اہلکار ہے لیکن ہے بڑے کام کا۔ ہم سب اس کی راہ تکتے رہتے ہیں۔ خاکی وردی پہنے وہ ہمارے دروازے کی کنڈی کھٹکھٹاتا ہے۔ اور خط دے جاتا ہے۔ گرمی، سردی، برسات، ہر موسم میں وہ اپنے کام پر نکلتا ہے۔ ہر طرح کی تکلیف اٹھاتا ہے مگر ہم کو ہمارے دوستوں اور عزیزوں کی خبر ضرور پہنچاتا ہے۔

پہلے ساری ڈاک شہر کے مرکزی ڈاک خانے میں جمع ہو جاتی ہے۔ پھر ہر علاقے کی ڈاک الگ الگ کر کے وہاں کے ڈاک خانوں کو بھیج دی جاتی ہے۔ ڈاکیے وہاں سے لے کر گھر گھر تقسیم کرتے ہیں۔ ڈاکیے کو ٹپالی بھی کہتے ہیں۔

ڈاکیے کا کام بہت ذمّے داری کا ہے۔ کیا مجال جو ایک خط اِدھر سے اُدھر ہو جائے اکثر لوگ ایک شہر سے دوسرے شہر روپے بھی بھیجتے ہیں۔ یہ روپیہ منی آرڈر کے ذریعے بھیجا جاتا ہے۔ یہ منی آرڈر بھی ڈاکیا لے جاتا ہے۔

ڈاکیا کتنے کام کا آدمی ہے! اگر وہ نہ ہو تو ہمارے لیے اپنے عزیزوں اور دوستوں کی خیریت معلوم کرنا کتنا مشکل ہو جائے۔

سوہنی دَھرتی

سوہنی دَھرتی اَللہ رکھے قدم قدم آباد تجھے
تیرا ہر اِک ذَرّہ ہم کو اپنی جان سے پیارا
تیرے دَم سے شان ہماری تجھ سے نام ہمارا
جب تک ہے یہ دُنیا باقی ہم دیکھیں آزاد تجھے
سوہنی دَھرتی اَللہ رکھے قدم قدم آباد تجھے

دَھڑکن دَھڑکن پیار ہے تیرا قدم قدم پر گیت رے
بستی بستی تیرا چرچا نگر نگر ہیں میت رے
جب تک ہے یہ دُنیا باقی ہم دیکھیں آزاد تجھے
سوہنی دَھرتی اَللہ رکھے قدم قدم آباد تجھے

تیری پیاری سَج دَھج کی ہم اتنی شان بڑھائیں
آنے والی نسلیں تیری عظمت کے گُن گائیں
جب تک ہے یہ دُنیا باقی ہم دیکھیں آزاد تجھے
سوہنی دَھرتی اَللہ رکھے قدم قدم آباد تجھے

مسرُور انور
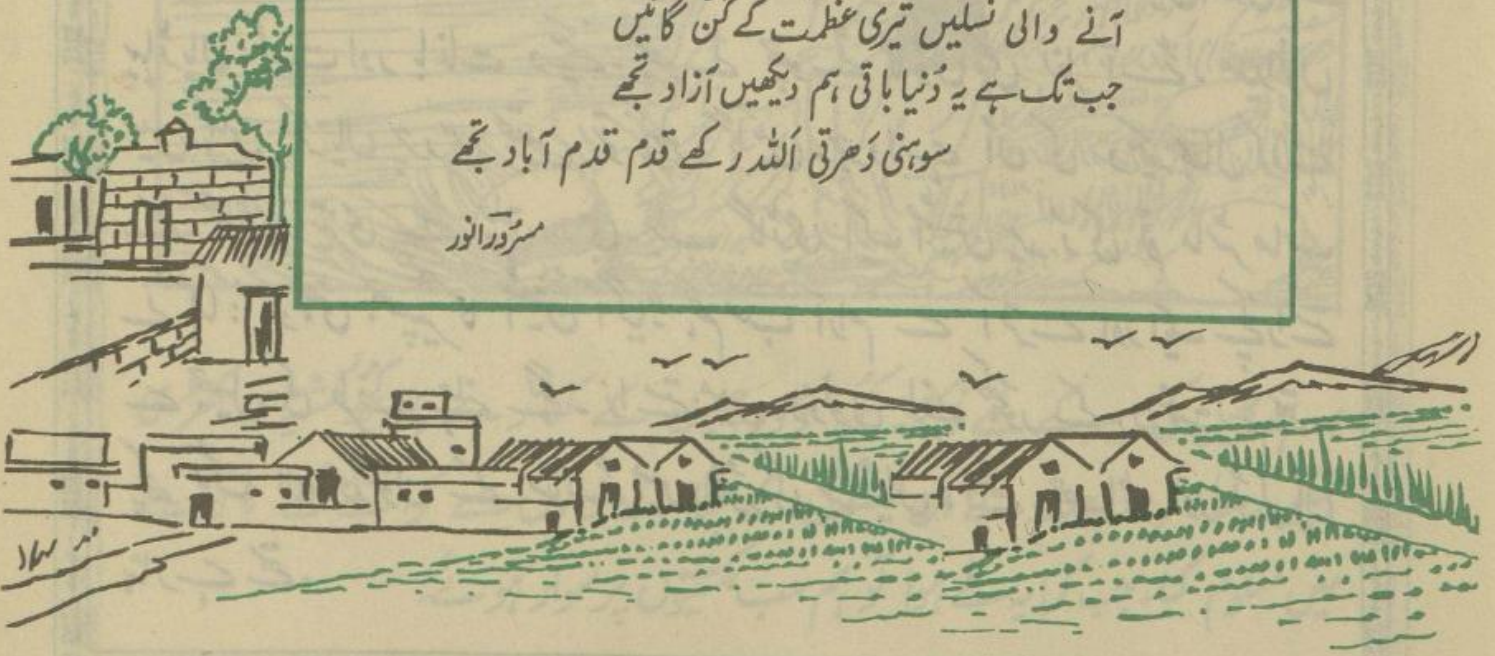
کینجھر جھیل

ماسٹر صاحب نے جب یہ بتایا کہ وہ ہماری جماعت کو پیر کے دن کینجھر جھیل کی سیر کرانے کے لیے لے جائیں گے تو ہمیں بے حد خوشی ہوئی۔ اُنھوں نے یہ بھی بتایا کہ ہر بچّہ دوپہر کا کھانا اپنے ساتھ لے کر آئے، ہم اسکول سے ٹھیک سات بجے صبح روانہ ہوجائیں گے۔

پیر کی صُبح جب ہم اِسکول پہنچے تو ماسٹر صاحب نے ہمیں دَس دَس کی ٹولیوں میں تقسیم کیا۔ ہر ٹولی میں سے ایک ایک لڑکے کو رہنُما بنایا اور اُس سے کہا کہ وہ اپنی ٹولی کے بچّوں کے نام لکھ لے تاکہ وہ اپنے سَاتھیوں کی حاضری لے سکے۔ تھوڑی دیر میں بس آگئی۔ جب ہم بَس میں سوار ہوئے تو رَہ نُما نے ہماری حاضری لی۔ اِسٹیشن پہنچ کر ہم ریل گاڑی میں سَوار ہو گئے۔ ریل گاڑی کا سفر بے حد پُرلُطف تھا۔ راستے میں ندی، نالے پہاڑیاں، کھیت اور باغات دیکھے۔ چھوٹے چھوٹے گاؤں بھی نظر آئے۔ میدانوں میں کہیں بکریاں چررہی تھیں تو کہیں گائیں۔ چرواہے اُن کی دیکھ بھال کررہے تھے۔ گاڑی تیزی سے چلتی رہی۔ جب گاڑی ایک اسٹیشن پر رُکی تو ماسٹر صاحب نے کہا: "لو بھئی جھمپیر کا اسٹیشن آگیا"۔ ہم سب آرام سے اُترے اور ایک کچّے راستے سے جھیل کی طرف چلنے لگے۔ راستے میں دونوں طرف کھجُور کے درخت تھے۔ کچھ لوگ ان درختوں کے سائے میں کھجُور کی چٹائیاں، پنکھے، جھاڑو اور ٹوکریاں بنارہے تھے۔

جھیل پر پہنچ کر ہم نے ایک خوش نُما مکان میں اپنا سامان رکھا۔ یہ مکان جھیل کے کنارے ہی بنا ہُوا تھا۔ ماسٹر صاحب نے بتایا کہ یہ سرکاری مکان ہے۔ اسے ڈاک بنگلہ یا ریسٹ ہاؤس کہتے ہیں۔ یہاں تفریح کے لیے آنے والے لوگ اسے کرائے پر لیتے ہیں۔ سامان رکھنے کے بعد ہم نے جھیل کے صاف، میٹھے اور ٹھنڈے پانی سے ہاتھ منہ دُھویا اور کھانا کھایا۔ کچھ دیر آرام کرنے کے
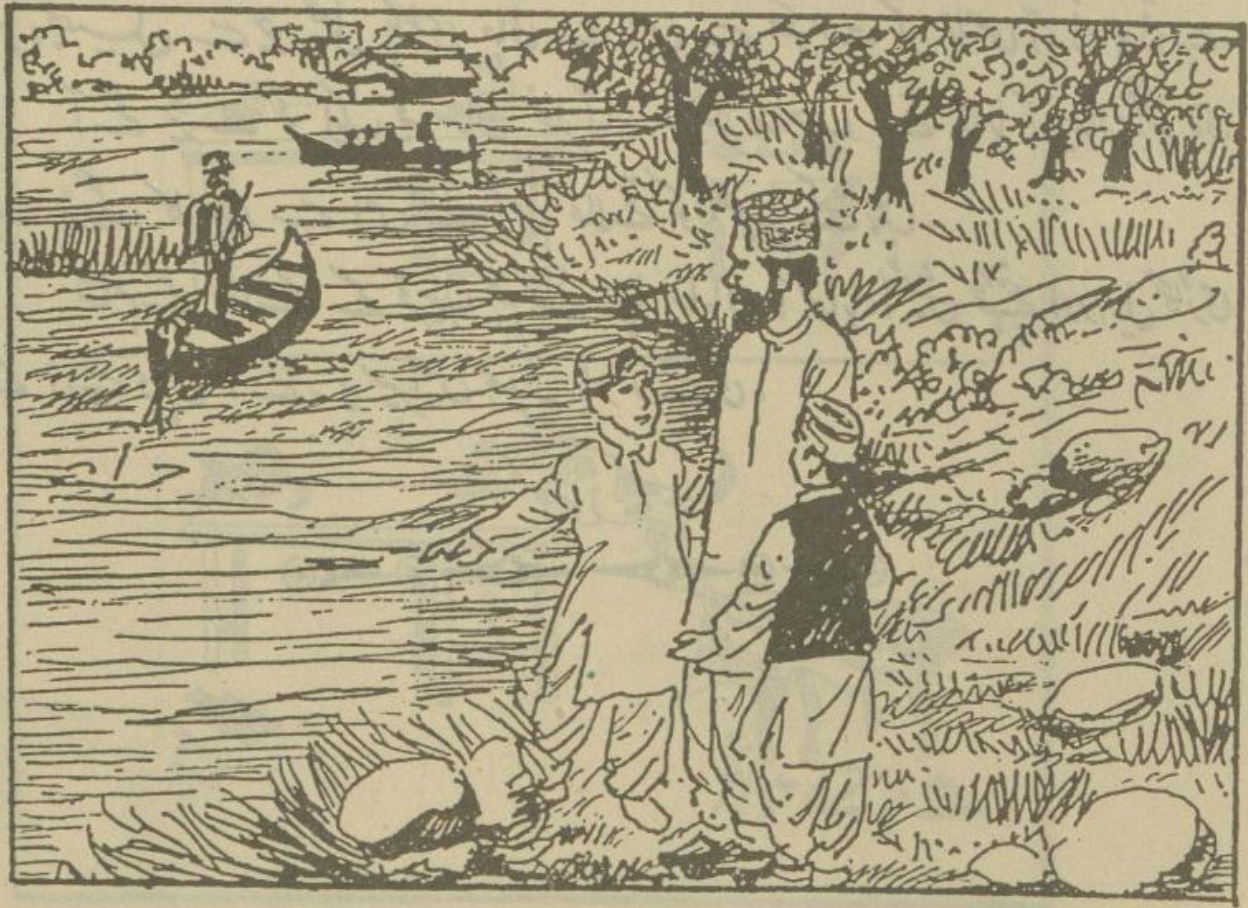
بعد ہم جھیل کی سیر کے لیے نکلے۔ کچھ دُور جھیل کے کنارے پر کچھ کشتیاں کھڑی تھیں۔ ماسٹر صاحب نے اُن کشتیوں کے چلانے والوں سے کرائے کے بارے میں معلوم کیا۔ جب کرایہ طے ہوا تو ہم سب کشتیوں پر سوار ہوئے۔

جدھر نظر اُٹھتی تھی، پانی ہی پانی نظر آتا تھا۔ پانی کی سطح پر ہزاروں مُرغابیاں تیر رہی تھیں۔ کچھ لوگ کشتیوں میں بیٹھے جال سے مچھلیاں پکڑ رہے تھے۔ مشرقی کنارے پر پہاڑیاں تھیں۔ ماسٹر صاحب نے بتایا کہ ان پہاڑیوں سے کوئلہ نکلتا ہے۔ ان پہاڑیوں پر ہر سال ایک میلا بھی لگتا ہے اور دُور دُور کے علاقوں کے لوگ اس میلے کو دیکھنے کے لیے آتے ہیں۔

کشتی میں سیر کرتے ہوئے ہمیں بڑا لُطف آرہا تھا۔ ماسٹر صاحب کہنے لگے، اِس جھیل سے جو مچھلی پکڑی جاتی ہے اس سے حکومت کو خاصی آمدنی ہوتی ہے۔

آگے بڑھے تو ایک قبرستان نظر آیا۔ ماسٹر صاحب نے بتایا کہ یہاں جھم نامی ایک بزرگ کا مزار ہے اس لیے اس علاقے کو جھمپیر کہتے ہیں۔

شام کے چار بجے کے قریب ہم نے اپنا سامان اُٹھایا، اسٹیشن پہنچے اور ریل گاڑی کے ذریعے واپس آگئے۔ یہ سیر ہمیں ہمیشہ یاد رہے گی۔

کہانی لکھیے

نیچے دی ہوئی تصویر کی ہر چیز کو غور سے دیکھیے اور ایک کہانی لکھیے:
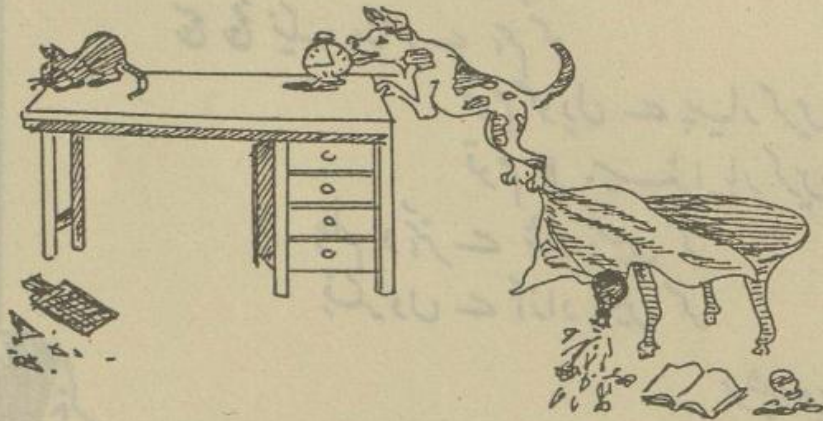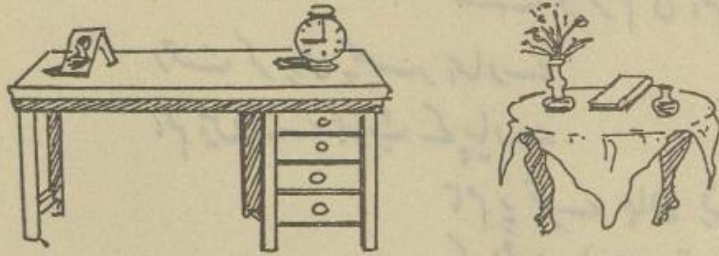
آپ یہ کہانی اِس طرح شروع کر سکتے ہیں:

امجد نے بلّی پال رکھی تھی۔ امجد کے بھائی ساجد کے پاس کُتا تھا۔ بلّی اور کتا آپس میں لڑتے رہتے تھے۔ ایک دن ....

دُعا

ہاتھ اُٹھائے ، سَر کو جھکائے
تیرے کرم پر آس لگائے

آئے ہیں یارب تیرے دَر پر
لُطف و کرم کی ہم پہ نظر کر

رحمت کر دِن پھیر ہمارے
ہم ہیں ترے محبوبؐ کے پیارے

نام پہ تیرے جان فِدا ہو
کوئی نہ دِل میں تیرے سِوا ہو

سیدھی راہ دِکھا دے ہم کو
سچ مُچ نیک بنا دے ہم کو

قوم کو دِل سے پیار کریں ہم
قوم کا بیڑا پار کریں ہم

عِلم و ہُنر سے شاد ہمیں کر
فِکروں سے آزاد ہمیں کر

محمد شفیع الدین نیّر
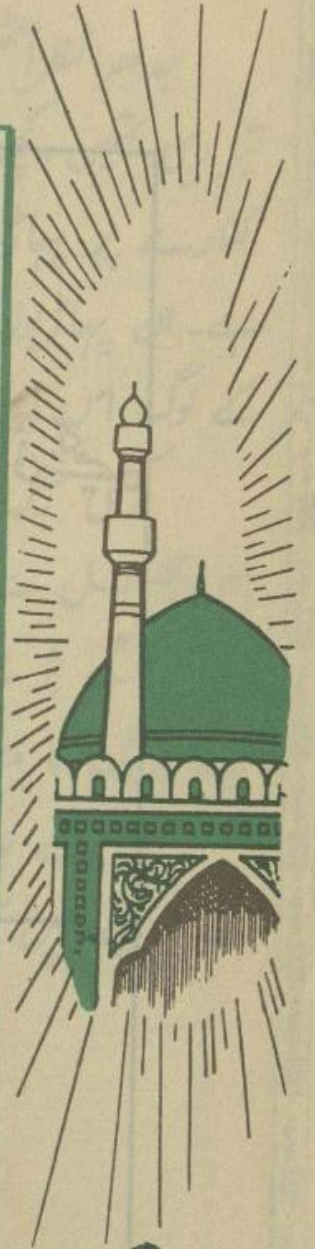
تیار کردہ: سندھ ٹیکسٹ بک بورڈ۔

منظور شدہ: وزارتِ تعلیم (شعبۂ نصاب) اسلام آباد، بطور واحد نصابی کتاب برائے مدارسِ صوبۂ سندھ
قومی کمیٹی برائے جائزۂ کتبِ نصاب کی تصحیح شدہ

قومی ترانہ

پاک سرزمین شاد باد کِشورِ حَسِین شاد باد
تو نشانِ عزمِ عالی شان ارضِ پاکستان
مرکزِ یقین شاد باد

پاک سرزمین کا نظام قوّتِ اُخوّتِ عوام
قوم، مُلک، سلطنت پائندہ تابندہ باد
شاد باد منزلِ مُراد

پرچمِ ستارہ و ہلال رہبرِ ترقّی و کمال
ترجمانِ ماضی، شانِ حال جانِ استقبال
سایۂ خدائے ذوالجلال

سلسلہ وار نمبر	10573	پبلشر کوڈ نمبر 115	
ماہ و سالِ اشاعت	ایڈیشن	تعداد	قیمت
March-2001	First	50,000	13.95